بانٹوا میمن جماعت کا ترجمان

ماہنامہ

میمن سماج

اردو۔گجراتی

ستمبر 2022ء صفر المظفر ۱۴۴۴ھ

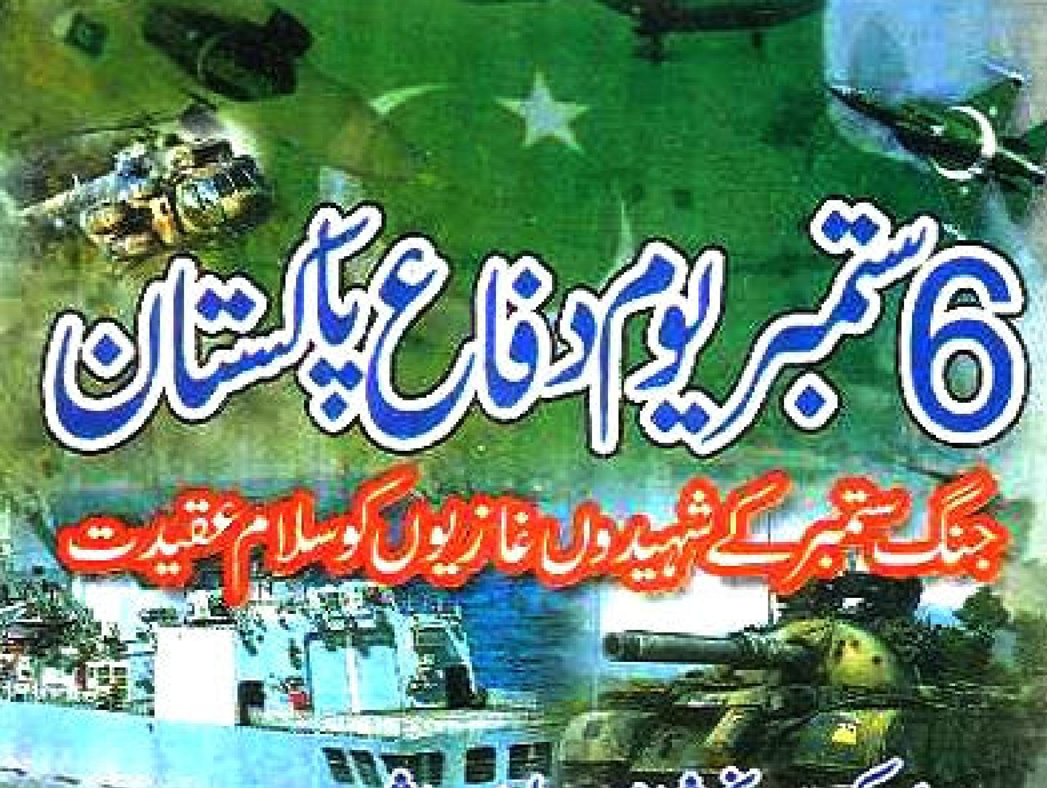

بانٹوا میمن برادری اور میمن برادری کی تاریخ وثقافت، طرز معاشرت، شادی بیاہ کی رسوم ورواج، لباس و پہناوے، میٹھی میمنی بولی کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے تو عظیم میمنی ثقافت وجود میں آتی ہے۔

زری کے کام کے کرتے (تصویر بشکریہ: اے کے)

زری کام والی آستین اور دامن والے کرتے (فراک)
(تصویر بشکریہ: اے کے)

سیاہ ٹوپی برقعہ (تصویر بشکریہ: ع۔ر)

پاجاموں کے زری کے کام کے پائنچے (تصویر بشکریہ: اے کے)

تصاویر بشکریہ: عبدالرزاق تھاپلاوالا مرحوم کی تصنیف بانٹوا ماضی اور حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے گا
تو بے شک بڑی مراد پائے گا

(سورۃ الاحزاب ۔ آیت ۷۱ ۔ پارہ ۲۲)

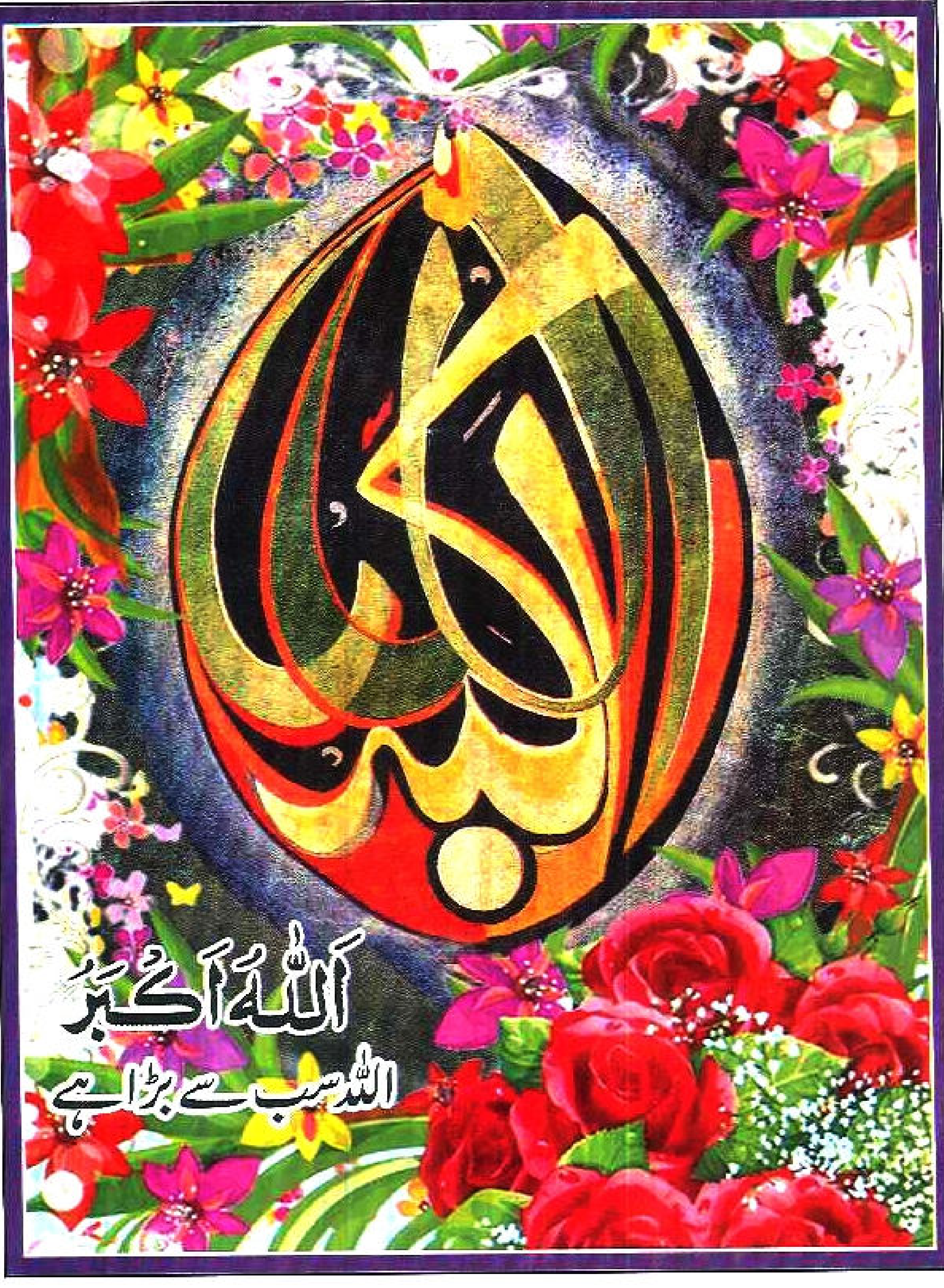
اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اللہ سب سے بڑا ہے

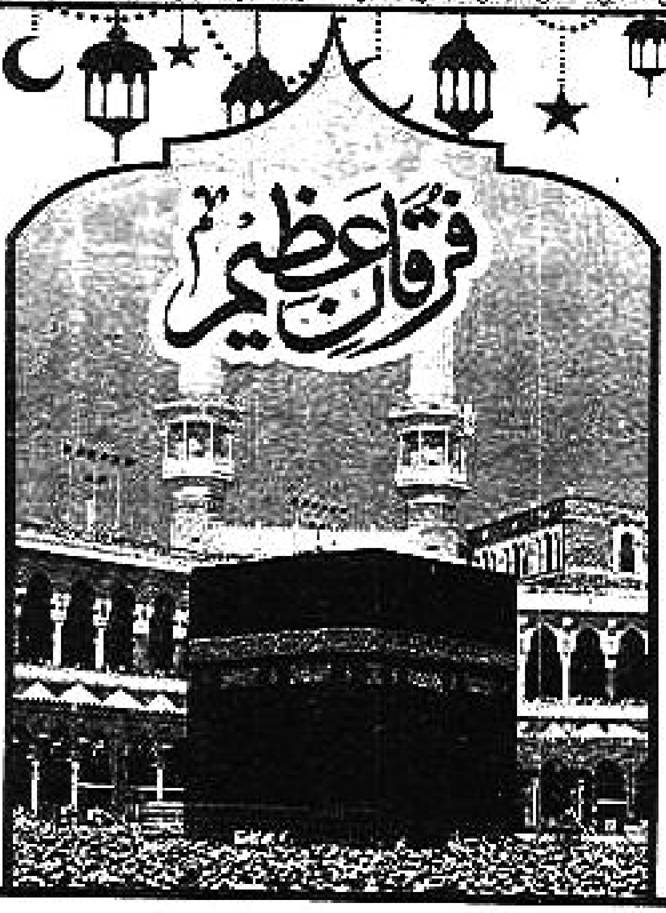

☆ اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر بڑے فضل والا ہے۔
(پارہ ۲۰۔ سورہ النمل۔ آیت ۷۳)

☆ جسے راہ پر لے آئے اللہ، وہی ہے سیدھے راستہ پر چلنے والا اور جسے وہ بھٹکا دے بس وہی ہیں نقصان اٹھانے والے۔
(پارہ ۹۔ سورہ الاعراف۔ آیت ۱۷۸)

☆ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ ہی دوست اور کافی ہے اللہ ہی مددگار۔ (پارہ ۵۔ سورہ نساء۔ آیت ۴۵)

☆ آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا تمہارے لیے دین اسلام۔
(پارہ ۶۔ سورہ مائدہ۔ آیت ۳)

☆ اور احسان کرو ماں باپ پر اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور ہم مجلس اور مسافر اور غلام سے اور جو تمہارے ملک یمین میں ہے۔ (پارہ ۵۔ سورہ نساء۔ آیت ۳۶)

☆ بلاشک اللہ پسند نہیں کرتا اس کو جو متکبر شیخی خورہ ہو۔
(پارہ ۵۔ سورہ نساء۔ آیت ۳۶)

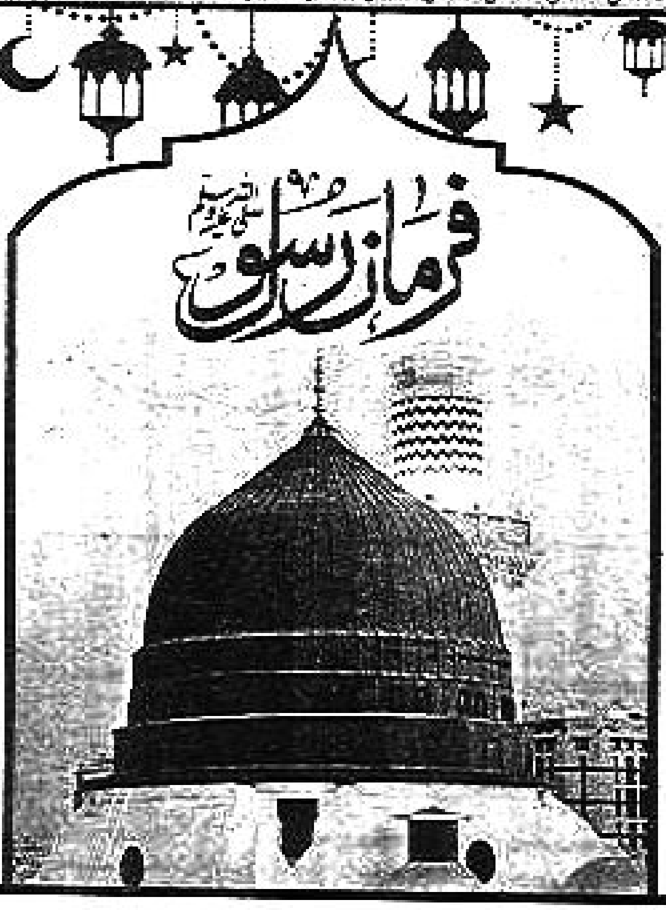

☆ جس نے چڑیا یا اس سے چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا۔
(مشکوۃ)

☆ جب تمہارے پاس شادی کا پیغام کوئی شخص لائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑی خرابی پیدا ہوگی۔ (ترمذی)

☆ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا اور اس سے پیروی کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔
(مسلم)

☆ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل کیے ہوئے کھانے سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا۔ اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھانا کھاتے تھے۔ (بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز پیتے وقت تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔

(متفق علیہ)

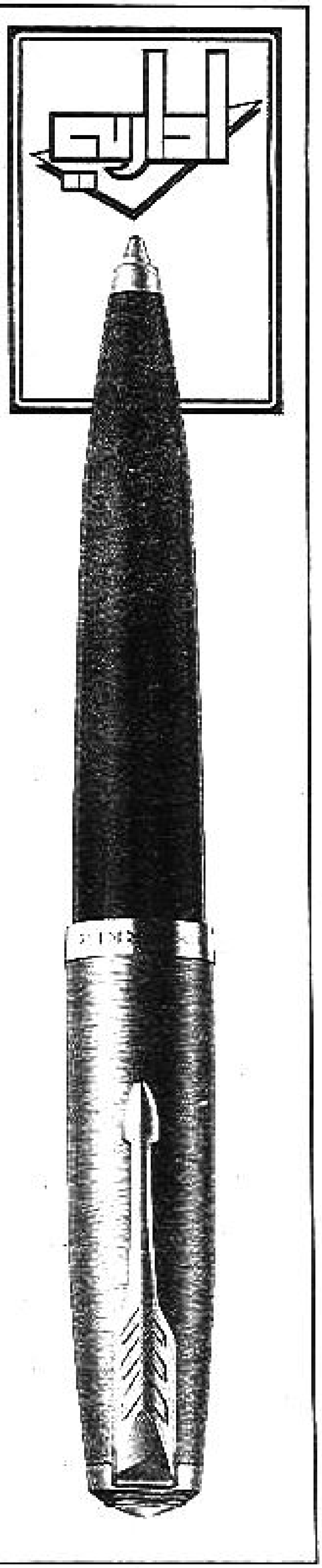

ہم اپنی تہذیب، ثقافت اور میمنی بولی کو زندہ رکھ سکتے ہیں!!

پرانے دور میں انسان کی عزت، اس کے خاندان اور تہذیب سے ہوتی تھی، لیکن آج کے دور میں ایسے لوگ قابل عزت سمجھے جاتے ہیں، جن کے پاس بہترین علاقے میں بنگلہ، نئے ماڈل کی گاڑی اور لاکھوں کروڑوں کا بینک بیلنس ہو۔ معاشرے میں رہنے والے افراد ہی ماحول کو بنانے یا بگاڑنے کا سبب بنتے ہیں، گویا لوگوں کا مجموعی رجحان ہی ہمیں ایسا راستہ اپنانے پر مجبور کرتا ہے جو ہمیں ہماری تہذیب سے دور کرتا ہے۔ کردار سازی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ زندگی کے کئی پہلو ہیں اور جس طرح تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں، اسی طرح زندگی کے ہر پہلو کے دو رخ ہوتے ہیں، جو انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

ایک بچہ جس گھرانے میں پیدا ہوتا ہے، وہاں کے طور طریقے سیکھتا ہے۔ پھر جب وہ گھر سے باہر قدم رکھتا ہے تو وہاں کے رجحانات اور ماحول کو اپناتا ہے۔ گھر اور معاشرہ انسان کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہیں سے زندگی کے اصولوں کی بنیاد پڑتی ہے کہ ہمیں زندگی کو کس نہج پر لے کر جانا ہے، کن چیزوں کو اور کن باتوں کو پیروی کرنا ہے۔ ہمارا رہن سہن اور روایات ہمیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں جو ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملتی ہیں۔

آج ہم اپنے اردگرد نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ جتنی ترقی ہم نے فیشن اپنانے میں کی ہے، اتنی ترقی شاید ہی کسی اور شعبے میں کی ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم اپنے بزرگوں کی تہذیب بھولتے جارہے ہیں اور دوسروں کی تہذیب و ثقافت اور کلچر سے متاثر ہونے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ انگریزوں نے ہم پر سو سال حکومت کی۔ انہوں نے ہمارا لباس اور زبان نہیں اپنائی کیونکہ یہ چیزیں اپنا کر انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس انہوں نے ہماری کتابوں کا ترجمہ اپنی زبان میں کروایا، اسے اپنی قوم کی ترقی کے لئے استعمال کیا اور آج دنیا پر حکمرانی کررہے ہیں۔ ہم انگریزوں کی تہذیب اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، گویا ہم اب بھی ذہنی طور پر ان کے غلام ہیں۔

ہماری تہذیب کہیں کھوگئی ہے، فیشن کی وباء نے نسل نو کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ اس معاملے میں لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ فیشن سے انسان کی

شخصیت نکھرتی ہے، لیکن کوئی بھی چیز حد سے تجاوز کر جائے تو شخصیت کو مسخ کر دیتی ہے۔ کیبل کی بدولت پڑوسی ملک کی تہذیب بچوں، گھر کے ماحول پر بھی اثر انداز ہورہی ہے۔

وہاں کی ثقافت آنے والی نسل کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی صورت شامل ہورہی ہے، ٹچ موبائل نے نئی نسل کو مزید مصروف کر دیا ہے۔ وہ اپنی تہذیب اور طرز معاشرت کو بھولتے جارہے ہیں۔ ہمیں اپنی تہذیب پر فخر ہے اور ایسا ثابت بھی کرتے ہیں جبکہ ہم میں سے کچھ لوگ اپنی ثقافت، تہذیب وتمدن میمنی بولی کو دقیانوسی خیال کرتے ہیں اور اپنی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹ سمجھتے ہیں جبکہ اپنا کلچر اپنی ماتر و بھاشا چھوڑ کر دوسری زبان بولنے کو فخر محسوس کرتے ہیں۔ میمنی بولی میٹھی بولی ہے۔ اس کو بول کر ہم اپنی ثقافت باوقار کلچر کو زندہ رکھ سکتے ہیں۔

میمن برادری کی بقا اور فروغ کے لئے ہمارے آباؤ اجداد نے بہت محنت کی تھی اور بہت قربانیاں دی تھیں۔ گزشتہ تقریباً چھ سو سال کی طویل تاریخ گواہ ہے کہ میمن برادری نے اس وقت سے فلاحی اور رفاہی خدمات مسلسل جاری رکھی ہوئی ہیں۔ ان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا ہے۔ میمن ساکھ کو قائم رکھتے ہوئے میمن برادری کے تمام افراد اپنے مخصوص لباس اور اخلاق کا بھرپور مظاہرہ کرتے رہے اور اس طرح نسل در نسل میمن برادری کی عزت اور وقار کو بڑھاتے رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد کے زمانے میں ہمارے کردار کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے بزرگوں نے جو میمن ورثے کی ساکھ قائم کی تھی اس کی ہم صحیح انداز سے حفاظت نہیں کر سکے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے، ہماری ثقافت اور ساکھ کا تمام دار و مدار جن امور پر تھا وہ ہماری ہلکی پھلکی میمنی بولی رہی ہے۔ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا سادہ اور مخصوص لباس اور تاجرانہ قابلیت (ایسی جو کسی بھی تاجر برادری کے ساتھ مقابلہ کر سکے) ہماری شناخت تھی۔ لیکن ہم نے تھوڑے دنوں سے اپنی اس شناخت کو کھو دیا۔

اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ ہم نے اپنی مخصوص روایت کو نظر انداز کر کے جدید طور طریقے اپنا کر اچھا کام کیا ہے تو یہ بالکل ناسمجھی بات ہے بلکہ وہ شخص اپنی بقا اور سلامتی کی اہمیت سے بھی بے بہرہ ہے۔ مثال کے طور پر ہم اپنے پرانے اور نئے ناموں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگ اپنے بچوں کے نام پیغمبروں اور بزرگان دین کے ناموں پر رکھتے تھے۔ لیکن اب ایسے نام بھی رکھے جانے لگے ہیں جن کا دین اور مذہب اسلام کے بزرگوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اپنی میمنی بولی کو چھوڑ کر اپنے مخصوص لباس کو ترک کر کے ہم نے اپنا "میمن پن" کھو دیا ہے، جس کے اثرات بڑھ کر مستقبل میں جو شکل اختیار کریں گے اس کے انجام کے لئے آج کی میمن برادری کا ہر فرد جواب دے ہوگا۔ ہم نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ ہم اپنی بولی سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اگر مستقبل میں اپنا قومی تشخص ہی باقی نہ رہا تو ہماری مخصوص شناخت کی حامل سماجی اور فلاحی خدمات کی کیا اہمیت باقی رہے گی؟

کاش! ہم اپنی شناخت، اپنے لباس اور اپنی بولی کی اہمیت کو سمجھیں!

نیک خواہشات اور پرخلوص دعاؤں کا طالب خلوص کیش

عبدالجبار علی محمد بدو

مدیر اعزازی ماہنامہ میمن سماج کراچی

مشعل راہ

حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں

مفاہمت اور اتحاد کی ضرورت واہمیت

مولانا حسن قادری (مرحوم)، ممتاز عالم دین اور سابق معلم جامعہ تعلیم ملی (ملیر)

Late Moulana Hassan Qadri

حضور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا ہے۔ اللہ کی طرف سے نبی پاک ﷺ کو یہ خطاب عطا ہونا عالم انسانیت کے لئے نہایت ہی مبارک ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ صرف مسلمانوں ہی کے لئے ہی نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لئے رحمت ہیں۔ آپ ﷺ کی آمد ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے جس کے لیے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ مفاہمتی عمل کے لئے پائیدار حکمت عملی کی تشکیل تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں پاکستان اور پوری دنیا کے موجودہ حالات کے تناظر میں نہایت اہم موضوع ہے۔ مفاہمتی عمل کیا ہے؟ اس سے مراد نزاعی یا اختلافی معاملات کو افہام و تفہیم اور باہمی تعاون کے ذریعے حل کرنے کے لئے کوئی راستہ نکالنا۔ حقیقت یہ ہے کہ خواہ ایک گھر کا کوئی معاملہ ہو یا ملک کا اندرونی اور بیرونی مسئلہ مفاہمی عمل کے بغیر معاملات کا حل نکالنا دشوار ہوتا ہے۔ آپس میں لڑائی جھگڑے کا معاملہ ہو یا ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کے اختلافی امور ہوں یا اسی طرح ملک کے بیرونی معاملات ہوں سب کا حل مفاہمی عمل ہی کے ذریعے ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ مفاہمی عمل کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ افراد اور اقوام کے درمیان تلخی کے بجائے جذبہ خیر سگالی کو فروغ حاصل ہو اور دنیا میں امن وسلامتی اور پیار و محبت کی فضا قائم ہو۔ رسول اکرم ﷺ کی زندگی ایک مسلسل مفاہمی عمل کا نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے جنگ وجدل کی بجائے مفاہمتی عمل سے لوگوں کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔

حضور اکرم ﷺ نے تکریم انسان کی داغ بیل ڈالی۔ انسان تو انسان آپ نے جانوروں اور شجر وحجر کی بربادی کو رد کردیا۔ آپ ﷺ کی

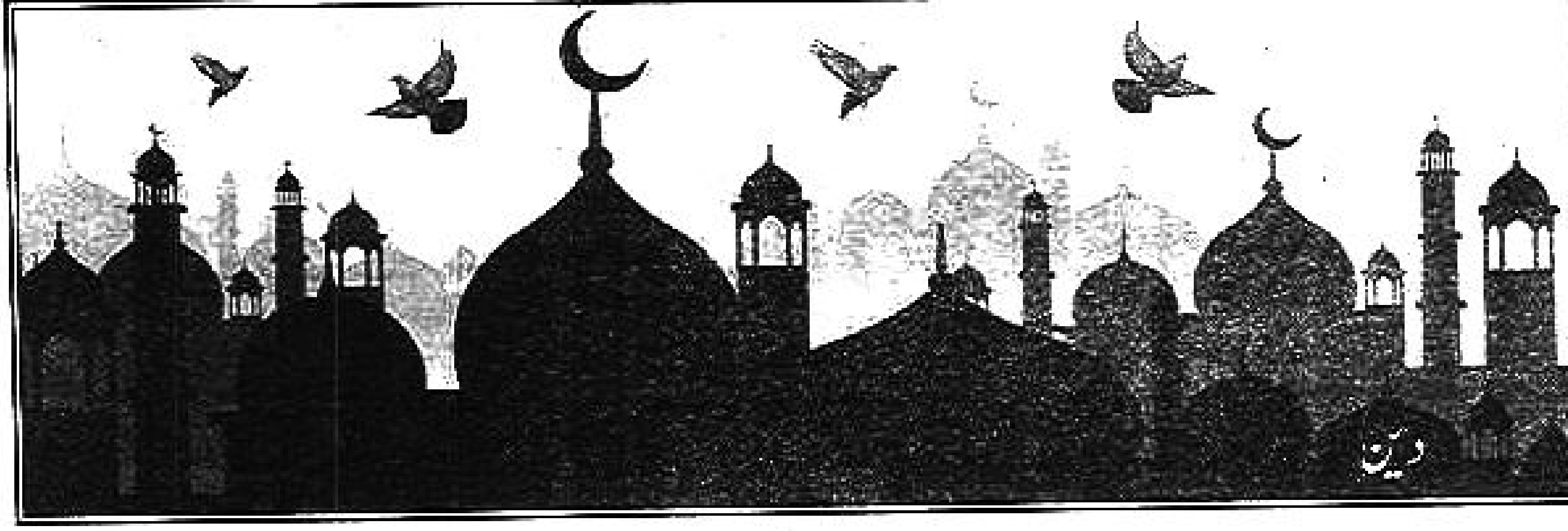

طرف سے حجر اسود کی تنصیب کا معاملہ ہمارے سامنے ہے کہ اس اہم معاملے کو آپ ﷺ نے کس مفاہمانہ حکمت عملی سے حل کیا کہ قبائل کے مابین خون ریز تصادم کے خطرے کو باوقار طریقے سے ہمیشہ کے لیے حل کر دیا۔ آپ ﷺ کے مفاہمتی عمل کی سب سے بڑی، عمدہ اور اعلیٰ مثال صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تکمیل پر اسے فتح مبین قرار دیا گیا جس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ کی عظیم الشان فتح ہوئی۔ اس عظیم فتح مبین کے بعد دشمنوں کی عام معافی کا وہ عظیم دھارا ہے جس کے سوتوں سے اخوت ومحبت اور عظمت انسانی کے سرچشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد عام معافی کے اعلان سے اسلامی تحریک کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ مفاہمتی عمل کی دوسری بہترین شاہ کار مثال میثاق مدینہ ہے، جس کے ذریعے مدینہ مسلمانوں کا مرکز بن گیا۔ میثاق مدینہ ایک تاریخی اور تحریری معاہدہ تھا، جس میں حضور اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کے حقوق تسلیم کرتے ہوئے انہیں مذہبی، عدالتی اور قانونی آزادی کی ضمانت فراہم کی۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے اہل طائف کا معاملہ ہو یا نجران کے عیسائیوں کا معاملہ ہو، یہود کے ساتھ برتاؤ کا معاملہ ہو، آپ ﷺ کی طرف سے مفاہمانہ طرز عمل میں کمی نہیں آئی۔ غزوہ بدر کے میدان میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے مشرکین کی فوج کے افراد اس پانی کے حوض پر آئے جو کہ اسلامی لشکر کے قبضے میں تھا، مسلمانوں کی فوج نے حوض اپنی ضروریات کے لئے بنایا تھا۔ مشرکین کو پانی دینے سے روکنا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انہیں پانی سے نہ روکو، بلکہ انہیں پانی پینے دو۔ اس واقعے میں حضور اکرم ﷺ کا مفاہمتی عمل میدان جنگ میں بھی نظر آتا ہے جو انسانی عظمت رفعت کی بلند ترین مثال کہلائی جاسکتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سیرت کا یہ خاصا رہا ہے کہ مسائل سے الجھنے کی بجائے ان کے حل کے لئے افہام وتفہیم کی راہیں نکالی جائیں، تاکہ مفاہمت کا عمل آگے بڑھے اور زندگی کا سفر کامیابی سے آگے کی طرف بڑھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسوۂ نبوی ﷺ کی پیروی میں دنیا وآخرت کی بہبود مضمر ہے، یہی وہ راستہ ہے، جسے اپنا کر ہم دین ودنیا میں سرخرو ہوسکتے ہیں۔ میانہ روی، فلاح عامہ، احترام انسانیت، باہمی رواداری اور تحمل وبرداشت سیرت طیبہ کے نمایاں پہلو ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم سیرت نبوی ﷺ کو اپناتے ہوئے اپنے مذہبی اور معاشرتی فرائض بجالائیں اور دنیا میں امن وسلامتی اور اخوت کا پیغام عام کردیں تاکہ یہ دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ اسلام مفاہمت، رواداری، ہم آہنگی، امن، محبت اور سلامتی کا دین ہے۔ اسلام دین رحمت ہے، ہم مسلمان اسی عالمین کے لئے رحمت قرار دی گئی ہستی کے پیروکار ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات مفاہمتی عمل پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے، وہی انسان اور انسانی فطرت کا خالق ہے، اس نے اپنے بندوں کے لئے جو بہترین تحفہ انسانیت کے لیے چنا ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کی آفاقی شخصیت ہے، اس وقت تمام مسلمانوں بالعموم اور ہم پاکستانیوں کو بالخصوص مفاہمتی عمل کی ضرورت سب سے زیادہ ہے، کیوں کہ آج علاقائی، لسانی، فروہی، مسلکی اور مذہبی فرقہ بندی نے ہمیں پارہ پارہ کیا ہوا ہے۔ دوسری قومیں ہماری اس کمزوری سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہیں۔

وطن عزیز پاکستان میں علاقائی اور فرقہ وارانہ انتشار کے سبب عالمی قوتوں کو انتشار پھیلانے کا خوب موقع میسر ہوا ہے۔ غیروں کی کوشش یہی ہے کہ ہمارے حصے بخرے کرکے ہماری مفاہمتی قوت کو غیر موثر کیا جائے اور یوں ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے ختم ہوجائیں، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے درمیان پائے جانے والے اختلافات مفاہمتی حکمت عملی کی روشنی میں حل کرنے کی طرف توجہ دیں۔ حضور اکرم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا۔ مسلمانوں کی بقا اور سربلندی باہمی اتفاق اور مفاہمی حکمت عملی میں مضمر ہے۔ مسلمانوں میں مفاہمت کرانا عبادت سے بھی افضل عمل بتایا گیا ہے۔

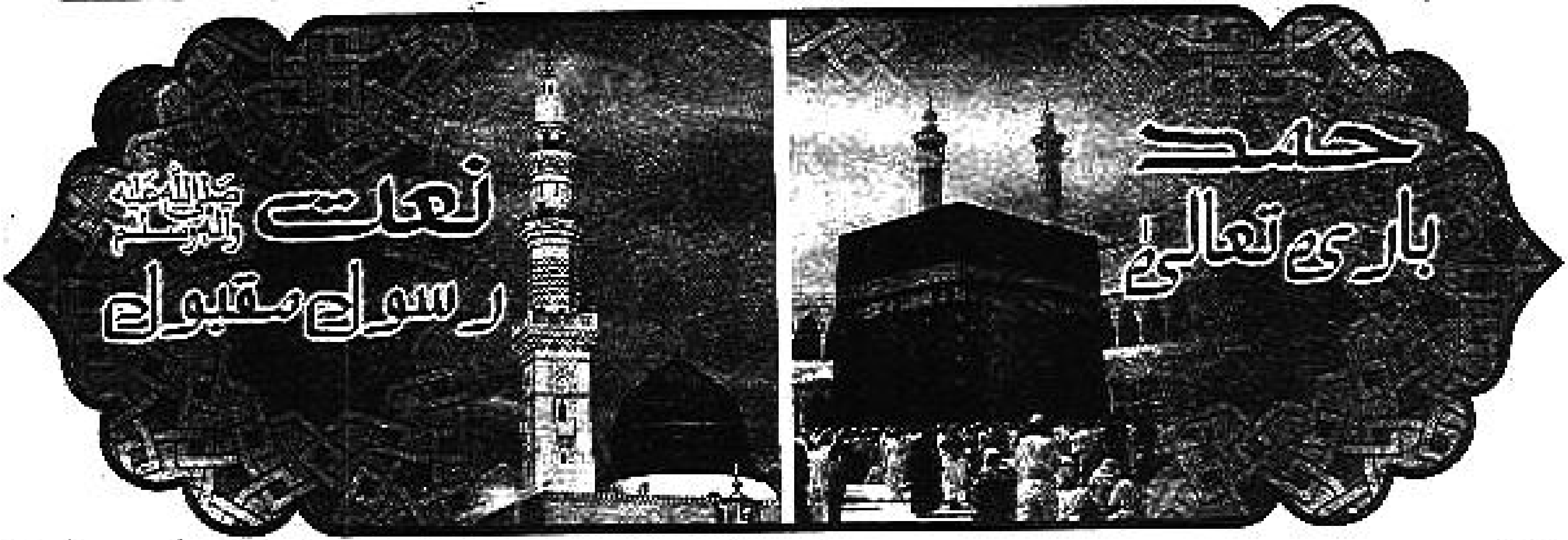

جناب طاہر سلطانی

جلوۂ رب عیاں ہے زمیں تا فلک
پھر بھی سب سے نہاں ہے زمیں تا فلک

رستہ بچنے کا کوئی کہاں دوستو!
فضلِ رب سے اماں ہے زمیں تا فلک

لوگ کہتے ہیں اس کا مکاں ہی نہیں
اس کا ہی ہر مکاں ہے زمیں تا فلک

ذرہ ذرہ کرے رب کی پاکی بیاں
حمد کا کارواں ہے زمیں تا فلک

رب کی عظمت کا اعلان، شانِ نبی ﷺ
پنج وقتہ اذاں ہے زمیں تا فلک

رب کے فضل و کرم اور صناعی کا
قافلہ اک رواں ہے زمیں تا فلک

طاہر ارض و سما مالک الملک کے
اس کا ہی ہر نشاں ہے زمیں تا فلک

مسرور کیفی (مرحوم)

جو چاہو وہی شوق سے پاؤ لوگو
سرکار ﷺ کے قدموں میں تو آؤ لوگو

پھر جانے مقدر میں یہ دن ہوں کہ نہ ہوں
آئے ہو تو طیبہ سے نہ جاؤ لوگو

احسان کسی پر جو کرو تو، ہرگز
بھولے سے کسی کو نہ جتاؤ لوگو

جو شے بھی نظر آئے رہ طیبہ میں
سینے سے اسی شے کو لگاؤ لوگو

سرکار ﷺ کے قدموں کے وہ قابل ہیں کہاں
پلکیں جو بچھاتے ہو بچھاؤ لوگو

بستے ہیں جہاں دونوں جہاں کے آقا ﷺ
دل میں اسی دنیا کو بساؤ لوگو

مسرور نے دیکھے ہیں جو جلوے، دیکھو
اک بار مدینے کو تو جاؤ لوگو

اُن کی باتوں میں گلوں سی خوشبو

☆ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اسے قیامت کی تنگی سے نجات ملے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا معاف کر دے۔
(حضور اکرم ﷺ)

☆ رزق اور عزت کسی کے ہاتھ میں نہیں اللہ جسے چاہے بے حساب دیتا ہے۔ (حضرت ابو بکر صدیقؓ)

☆ کسی کی شرافت اور انسانیت کا اندازہ کرنا ہے تو اسے قرض دے کر دیکھو، اس کا ہمسایہ بن کر دیکھو اور اس کے ساتھ سفر کر کے دیکھو۔
(حضرت عمر فاروقؓ)

☆ حق پر قائم رہنے والے مقدار میں کم ہوتے ہیں مگر قدر و منزلت میں زیادہ۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆ کبھی بھی کامیابی کو دماغ میں اور ناکامی کو دل میں جگہ نہ دو کیونکہ کامیابی دماغ میں تکبر اور ناکامی دل میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے۔
(حضرت علیؓ)

☆ آپ کے وہ الفاظ بھی تحفہ ہیں جو دوسروں کو زندگی میں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ (شیخ سعدیؒ)

☆ دنیا میں اگر کوئی اپنی جگہ بنانی ہے تو سب سے خوبصورت جگہ ہے کسی کی سوچ میں رہنا، کسی کی دعا میں رہنا اور کسی کے دل میں رہنا۔
(امام غزالیؒ)

☆ کبھی انسان کی نرمی اس کی کمزوری کو ظاہر نہیں کرتی کیونکہ پانی سے نرم کوئی چیز نہیں ہے لیکن پانی کی طاقت چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ (افلاطون)

☆ زبردستی کی نزدیکیوں سے سکون کی دوریاں بہتر ہیں۔ (البیرونی)

☆ مضبوط انسان کو غصہ جلدی نہیں آتا اور جسے معاف کرنا ہو اسے جلد معاف بھی کر دیتے ہیں۔ (سقراط)

☆ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پہ لینے سے بڑے بڑے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔ (بقراط)

☆ ناامید شخص ہر اچھا موقع گنوا دیتا ہے اور پر امید شخص پریشانی میں بھی موقع تلاش کر لیتا ہے۔ (خلیل جبران)

☆ دنیا وہ کتاب ہے جو کبھی نہیں پڑھی جا سکتی اور زمانہ وہ استاد ہے جو سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ (نپولین)

☆ جب انسان اپنی حیثیت سے زیادہ سوچنے لگتا ہے تو زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ قابلیت اتنی بڑھاؤ کہ تمہیں ہرانے کے لئے کوششیں نہیں سازشیں کرنی پڑیں۔ (فرانس بیکن)

☆ جس طرح شبنم کے قطرے مرجھائے ہوئے پھول کو تازگی بخشتے ہیں، اس طرح اچھے الفاظ مایوس دلوں کو روشنی بخشتے ہیں۔ (رسکن)

☆ انسان غیروں سے ملی عزت اور اپنوں سے ملی ذلت کبھی نہیں بھولتا۔ (جارج ایلیٹ)

☆ وہ دل جس میں خلوص کا جذبہ نہ ہو اس صدف کی مانند ہے جس میں موتی نہ ہو۔ (بائرن)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اس کا منظوم ترجمہ

منظوم ترجمہ : صبا اکبر آبادی

انہماک کا اجر

اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی قرآن شریف کی تلاوت میں انہماک کی وجہ سے مجھ سے دعا مانگنا بھول جائے تو میں دعا مانگنے والوں سے زیادہ بہتر انعام اسے دیتا ہوں۔ (ترمذی)

ترجمہ: کہا اللہ تعالیٰ نے کہ جب پڑھتے ہو تم قرآن تو میرے حکم سنتے ہو عبادت میری کرتے ہو دعا گر بھول جاؤ تم تلاوت کے تسلسل میں بخشوں گا زیادہ اس سے جو امید ہو تم کو

منظوم ترجمہ :

کہا اللہ تعالیٰ نے کہ جب پڑھتے ہو تم قرآن
تو میرے حکم سنتے ہو عبادت میری کرتے ہو
دعا گر بھول جاؤ تم تلاوت کے تسلسل میں
میں بخشوں گا زیادہ اس سے جو امید ہو تم کو

سب سے زیادہ عزت والا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب تیرے نزدیک تیرے بندوں میں سب سے معزز کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو طاقت رکھتے ہوئے معاف کر دے۔

ترجمہ: کہا اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے میرے سارے بندوں میں معزز بھی وہی ہے اور وہ ہے سب سے اچھا بھی کرے جو درگزر دنیا میں لوگوں کی خطاؤں سے رکھے طاقت جو بدلے کی مگر بدلا نہ لے کوئی۔

منظوم ترجمہ :

کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے میرے سارے بندوں میں
معزز بھی وہی ہے اور وہ ہے سب سے اچھا بھی
کرے جو درگزر دنیا میں لوگوں کی خطاؤں سے
رکھے طاقت جو بدلے کی مگر بدلا نہ لے کوئی

Jinnah Cap

جناح کیپ

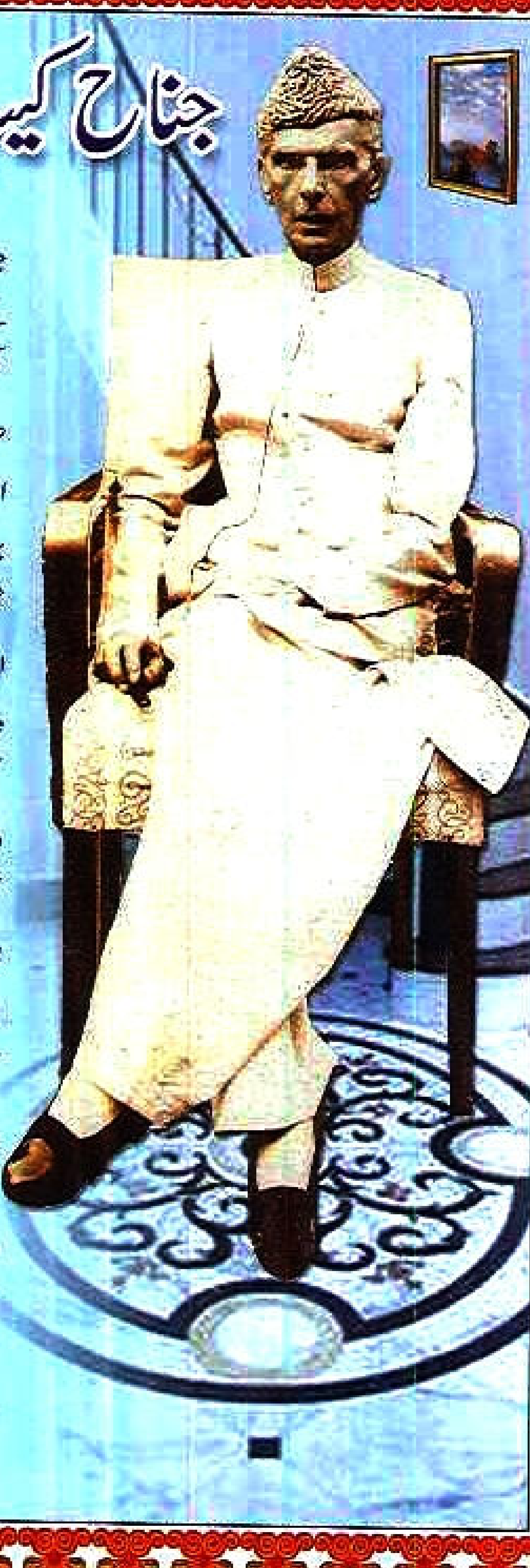

بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ بابائے قوم نے جناح کیپ کا استعمال کب اور کیسے شروع کیا۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی کے بیان کے مطابق 1935ء میں راجہ صاحب محمود آباد کی کوٹھی واقع لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہو رہا تھا جس میں قائداعظم کے علاوہ تقریباً تمام مسلم لیگی لیڈر موجود تھے۔ اس اجلاس میں نواب اسماعیل خان سیاہ سموری ٹوپی پہن کر آئے تھے۔ قائداعظم کو یہ ٹوپی بہت اچھی لگی پسند آئی۔ انہوں نے نواب صاحب سے کہا کہ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنی ٹوپی مجھے دے سکتے ہیں؟ نواب صاحب نے اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھا اور فوراً ٹوپی اتار کر قائداعظم کو دے دی۔ قائداعظم نے یہ ٹوپی پہنی تو تمام حاضرین نے اس کی تعریف کی۔ قائداعظم وہاں سے اٹھ کر خواب گاہ میں گئے اور آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ یہ ٹوپی ان کے سر پر خوب جچ رہی تھی۔ جب قائداعظم باہر آئے تو ساتھیوں نے کہا کہ ٹوپی پہنے رہیے اور اسی طرح مسلم لیگ کے کھلے اجلاس میں شریک ہوں۔ قائداعظم نے ان کی یہ تجویز مان لی۔ جب قائداعظم ٹوپی پہن کر کھلے اجلاس میں تشریف لے گئے تو لوگ بہت خوش ہوئے اور ان کے نعروں سے سارا پنڈال گونج اٹھا۔ لکھنؤ کا یہ اجلاس جس میں قائداعظم نے شیروانی اور سموری ٹوپی پہنی تھی، بہت کامیاب رہا اور آہستہ آہستہ مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں اور عام لوگوں نے بھی بڑی تعداد میں ایسی ہی ٹوپیوں کا استعمال شروع کر دیا۔ کچھ عرصے بعد اس ٹوپی کا نام "جناح کیپ" (Jinnah Cap) پڑ گیا اور یہ آج ہمارے قومی لباس کا ایک اہم جزو اور حصہ ہے۔

(بشکریہ: ماہنامہ تعلیم و تربیت لاہور۔ شمارہ مئی 1991ء صفحہ 80)

تاریخ کے جھروکوں سے

ماضی کے لباس (پہناوے) اور کھانے

گجراتی تحریر : عبدالرزاق تھاپلا والا (مرحوم)، میمن ریسرچ اسکالر

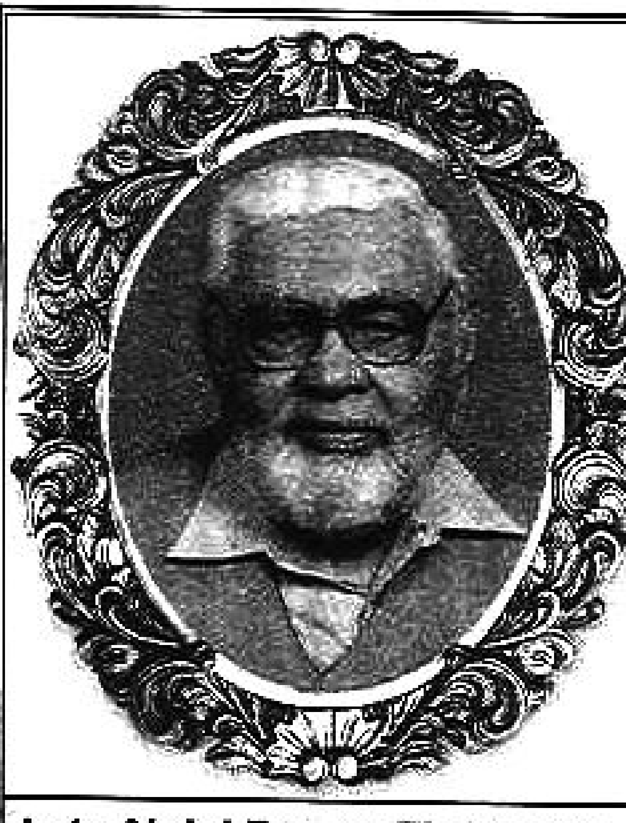

Late Abdul Razzaq Thaplawala

بانٹوا کی خواتین اور مرد دونوں ہی ایسا سادہ لباس پہنا کرتے تھے جو کاٹھیاواڑ کے مختلف حصوں میں میمن برادری کے دیگر افراد سے مختلف نہیں ہوتا تھ۔ ہر گھر میں دن میں تین مرتبہ کھانا کھایا جاتا تھا اور گھر کے سبھی افراد فرش پر بیٹھ کر اس طرح کھاتے تھے کہ ان کے سامنے ایک بڑا سا تھال ہوتا تھا جس کے چاروں طرف وہ بیٹھے ہوتے تھے۔ صبح کا ناشتہ درج ذیل اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا: روٹی، قیمہ اور اکثر و بیشتر گھی اور گڑ۔ دوپہر کا کھانا (لنچ) عام طور سے چاول اور سالن پر مشتمل ہوتا تھا جبکہ رات کے کھانے میں کھچڑی شامل ہوتی تھی جو چاول اور مونگ کی دال سے تیار کی جاتی تھی۔ یہ کھچڑی سالن کے ساتھ کھائی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ چھاچھ یا دودھ بھی پیا جاتا تھا۔ کھانوں کے لیے کسی بھی قسم کی کھانے کی میزیں (ڈائننگ ٹیبل) بالکل استعمال نہیں کی جاتی تھیں۔ فرش پر چاندنی یا چادر بچھا کر بیٹھ کر مل کر کھانے کا رواج تھا اور سب ایک تھال میں کھاتے تھے۔

شادی بیاہ اور دیگر تقاریب کے مواقع پر دوپہر اور رات کی دعوت میں پہلے مٹھائیاں مہمانوں کے سامنے پیش کی جاتی تھیں۔ یہ مٹھائیاں درج ذیل پکوانوں پر مشتمل ہوتی تھیں: مٹھائیاں، پکوڑے، لڈو اور گاٹھیا یا ساتا یا جلیبی جس کے ساتھ اکنی یا بریانی بھی مہمانوں کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی۔ شادی بیاہ کی دوپہر کی یا رات کی بڑی دعوتیں عام طور سے بانٹوا میمن جماعت خانے میں ہوتی تھیں اور اس دور کے رواج کے مطابق فرش پر دریاں یا چٹائیاں بچھا کر آنے والے مہمانوں کو فرش پر بیٹھا کر ایک ہی تھال میں ایک ساتھ کھلایا جاتا تھا۔ اس تھال کو طباق بھی کہا جاتا تھا۔

خواتین عام طور سے ایک لمبا سا لباس (فراک) یا لباس استعمال کرتی تھیں جسے میمنی زبان میں ''بندی'' کہا جاتا تھا اس کے ساتھ پاجامہ ہوا کرتا تھا جسے ''ای جار'' کہا جاتا تھا۔ دونوں بندی اور ''ای جار'' کو کڑھائی اور زری کے مختلف بیل بوٹوں سے سجایا اور سنوارا جاتا تھا۔ یہ دھاگے سونے سے بنے ہوتے تھے۔

بانٹوا میں دلہنوں کے لئے ریاست کچھ کے شہر بھج اور مانڈوی بندر سے چندری کی اوڑھنی منگوائی جاتی تھیں۔ کاٹھیاواڑ اور جام نگر کی چندری (چنری) کی چادریں (چاندروکھنی) باندھنی سے بندھی ہوئی لازمی شے ہوتی تھی جو دلہنوں کو نکاح کے موقع پر اڑھائی جاتی تھی۔ چندری کے فن میں رنگ ریز کھتری برادری اپنی امتیازی حیثیت رکھتی تھی اور برصغیر میں سندھ، ریاست کچھ اور صوبہ گجرات کا شہر احمد آباد صدیوں سے کھتریوں کی اس گھریلو صنعت کا مرکز رہے ہیں۔

ہماری خواتین سخت پردہ کیا کرتی تھیں۔ عام طور سے وہ گھر سے باہر جانے سے گریز ہی کرتی تھیں تاہم اگر ان کے لیے باہر جانا ضروری ہوتا تو وہ باہر نکلنے سے پہلے ٹوپی والا ”برقعہ“ پہنتی تھیں۔ اس برقعے پر بھی زری اور گوٹے وغیرہ کا خوبصورت کام ہوتا تھا اور یہ برقعے خاصے قیمتی ہوا کرتے تھے۔ ”بانٹوا میمن سیوا کمیٹی“ جو ”بانٹوا میمن خدمت کمیٹی“ کی پیش رو ہے، اس نے ایسے قیمتی اور سجے سجائے برقعوں کے استعمال کے خلاف مہم چلائی تھی۔ اس مہم کا حوصلہ افزا نتیجہ نکلا اور زیادہ تر خواتین نے سادہ اور سیاہ برقعہ پہننا شروع کردیا۔ اس برقعے کو ٹوپی برقعہ کہہ کر پکارا گیا اور آج بھی اسے اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس ٹوپی برقعے میں چہرے کے آگے کوئی خالی جگہ نہیں ہوتی تھی سوائے ایک جالی کے اور یہ جالی بھی سیاہ دھاگے سے بنائی جاتی تھی۔ اس جالی کی وجہ سے پہننے والی خاتون آسانی سے دیکھ بھی سکتی ہے سونگھ بھی سکتی ہے اور بول بھی سکتی ہے۔

گھروں کے اندر خواتین عام طور سے اپنے سروں کو اسکارف سے ڈھکے رہتی تھیں۔ ان اسکارفوں پر بھی زری اور گوٹے کا کام ہوتا تھا۔ یہ اسکارف صرف سر اور سر کے بالوں کو ڈھکتا تھا باقی پورا سر معہ کانوں کے کھلا رہتا تھا۔ اسے اس اسکارف سے نہیں ڈھکا جاتا تھا۔ اسکارف کو (مصر) MISER کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

خواتین عام طور سے نارمل قمیصیں پہنتی تھیں جو ان قمیصوں کے مقابلے میں ذرا سی لمبی ہوتی تھیں جو آج کل پہنی جا رہی ہیں۔ اس قمیص کے نیچے وہ عام طور سے ایک پاجامہ پہنتی تھیں۔ اس پاجامے کو ”اِجار“ کہتے تھے۔ یہ میمنی بولی میں پاجامے کو کہتے ہیں۔ ہر شخص ٹوپی ضرور پہنا کرتا تھا۔ ایک زمانے میں ترکی کی فیض ٹوپیاں بے حد مقبول تھیں مگر بعد میں مصطفیٰ کمال پاشا کے زوال کے بعد ترکی کے لوگوں نے اونچی اور بلند ٹوپیاں پہننی شروع کردیں جو قراقلی کپڑے سے بنی ہوتی تھیں۔ یہ ٹوپیاں ہماری ”جناح کیپ“ یا ”لیاقت کیپ“ سے ملتی جلتی ہوتی تھیں۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق جونیئر (چھوٹے یا نوجوان) اپنے سینئر (بڑوں اور بزرگوں) کے سامنے ٹوپی پہنے بغیر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

قابل احترام بزرگ اور بڑے لوگوں کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ ایسے بزرگ سفید کرتا اور پاجامہ پہنتے تھے اور ساتھ ہی سفید شال جیسا اسکارف (رومال) بھی ان کے لباس میں شامل ہوتا تھا۔

مطبوعہ: روزنامہ وطن گجراتی۔ مورخہ 16 اپریل 2003ء

گجراتی سے ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل

سلام کرنے کا صحیح طریقہ

السّلام علیکم تم پر سلامتی ہو

اسام علیکم تم کو موت آئے	اسا علیکم تم خوشی کو ترسو
سام علیکم تم برباد ہو	سلام علیکم تم پر لعنت ہو

مصنف کی گجراتی کتاب ”میری یادیں“ سے ماخوذ

دلالنیں اور پگڑی کی رسم بد

گجراتی تحریر: جان محمد دائود ایڈووکیٹ (مرحوم)

کسی زمانے میں انڈیا کے شہر بانٹوا کا میمن معاشرہ اور دلالنیں لازم و ملزوم تھیں۔ یہ شعبہ بہت پہلے سے اس خطے میں موجود تھا۔ لڑکے لڑکی کی شادی اور منگنی وغیرہ کے موقع پر دلالنوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان کے بغیر یہ تمام معاملات طے نہیں ہو پاتے تھے۔ بانٹوا اس زمانے میں ایک چھوٹا سا شہر تھا جہاں پوری میمن برادری ایک گروہ کی صورت میں آباد تھی اور بے شمار خاندان آپس میں یا تو قریبی رشتے دار تھے یا دور کے رشتے دار یا محض جان پہچان والے تھے مگر سب بالکل ایک قوم کی طرح مل جل کر رہتے تھے۔ اس صورت میں تو شادی بیاہ یا منگنی کے موقع پر کسی تیسرے کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیے تھی مگر پھر بھی ان رشتوں کو جوڑنے کے لیے دلالنوں کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی تھی اور انہی کے ذریعے مذکورہ بالا رشتے طے ہوتے تھے۔ یہ دلالنیں اس حوالے سے تمام معاملات طے کراتیں، لین دین بھی انہی کے ذریعے ہوتا اور یہ دلالن دونوں کے درمیان اہم حیثیت رکھتی تھی۔

جب پاکستان وجود میں آیا اور بانٹوا کے میمن ہجرت کر کے اس ملک میں آگئے تو دلالنوں کی ضرورت اور اہمیت یہاں بھی حسب سابق قائم رہی۔ مگر وہ لوگ جو بانٹوا میں ایک فیملی یا گروہ کی طرح رہتے تھے، وہ پاکستان آنے کے بعد مختلف علاقوں میں بکھر گئے اور ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ جسے جہاں، رہنے کو جگہ ملی، وہ وہاں چلا گیا۔ حالانکہ بعض لوگوں کی کوشش تھی کہ بانٹوا سے آنے والے سب خاندان کسی ایک جگہ ایک قوم کی حیثیت سے مل جل کر رہیں مگر ایسا نہ ہو سکا، اس کے بعد تو دلالنوں کی ضرورت اور طلب اور بھی بڑھ گئی۔ ظاہر ہے جب ان کی طلب بڑھی تو ان کی قدر و قیمت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ اس برادری میں اندھی تقلید اور نئے رسم و رواج کی آمد بھی بڑھی تو دلالنوں نے اپنا کردار زیادہ ذمے داری سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ وہ فریقین کے بارے میں مکمل اور ٹھوس معلومات حاصل کر کے ایک دوسرے تک پہنچانے لگیں اور انہیں خوش و مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرنے لگیں تاکہ ان کی محنت سے نئے رشتے قائم ہو سکیں اور ان کی محنت کا معاوضہ بھی انہیں اچھا مل سکے۔ نئے رسم و رواج نے اخراجات بھی بڑھا دیے اور خاص طور سے دلالنوں کے اخراجات کا بوجھ غریب اور متوسط طبقے کو برداشت کرنا پڑا جس کے نتیجے میں دلالنوں کے خلاف ہلچل شروع ہو گئی اور لوگ ان کو خواہ مخواہ کا

’’بوجھ‘‘ قرار دینے لگے۔

آخر کار یہ مسئلہ جماعت کے سامنے لانا پڑا جس پر خاصا غور کیا گیا اور جماعت نے محسوس کیا کہ اس مسئلے پر برادری میں اختلاف کا پیدا ہونا تشویش ناک ہے۔ اس مسئلے پر کافی غور کے بعد یہ طے ہوا کہ دلالنوں کو اس معاشرے سے بڑے سلیقے اور طریقے سے ہٹانا ہوگا ورنہ ان کی وجہ سے معاملات الجھ سکتے ہیں چنانچہ ایک وقت ایسا آیا جب دلالنوں کا کام بالکل بند ہوگیا۔ جماعت نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کو یہ ذمے داری دی گئی کہ وہ لڑکے اور لڑکی کے والدین کے درمیان شادی بیاہ یا منگنی کے معاملات اور لین دین وغیرہ طے کرانے میں ثالث یا پنچ کے آدمی کا کردار ادا کرے گی۔ گویا دلالنوں کا کردار اب اس تشکیل کردہ کمیٹی کو کرنا تھا۔ اس موقع پر تمام ممبرز سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے شادی کی عمر کو پہنچنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کے نام جماعت میں درج کرا دیں تا کہ جماعت کے ذمے دار ارکان ان بچوں اور بچیوں کی تفصیل اور تمام مکمل کوائف پڑھنے کے بعد مناسب رشتوں کے لیے مناسب اور اچھے مشورہ دے سکیں۔ یہ بلاشبہ ایک اچھا حل تھا مگر لوگوں نے اس کو وہ اہمیت نہیں دی جو دینی چاہیے تھی بلکہ اس کی وجہ سے جماعت میں ایک نئی چیز کا اضافہ ہوگیا۔ خواتین کے لیے عید میلاد النبی ﷺ کے جلسوں کا اہتمام ہونے لگا اور ان میں نئے رشتے طے ہونے لگے یا منگنی ہونے لگی۔ اس کام میں پس پردہ وہی دلالنیں کام کر رہی تھیں جنھیں فی الوقت کام کرنے سے روکا جا چکا تھا مگر وہ اب بھی دوسرے انداز اور دوسرے طریقے سے متحرک ہو چکی تھیں۔

اس کے بعد دلالنوں پر بھی پابندی لگائی گئی اور ان کی وصول کردہ رقم یعنی دلالی پر بھی بلکہ ایک طرح کے لائسنس کی تجویز پیش کی گئی جس پر کچھ عرصے تک تو عمل ہوا مگر بعد میں بڑی دلالنوں نے مل جل کر مذکورہ پابندی کو غیر موثر کر دیا۔ اس پر ہم نے فریقین پر جرمانہ کرنا شروع کر دیا۔ لوگ مجبوراً یہ جرمانہ ادا کر دیتے تھے مگر پھر بھی وہ جماعتی قوانین کو توڑنے سے باز نہ آئے اور یہ معاملہ بھی لگ بھگ بے کار ہو کر رہ گیا۔

ایک اور خطرناک مسئلہ ’’پگڑی‘‘ کا تھا جس نے جماعت کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق بانٹوا میں لڑکے والوں کی طرف سے دلہن کو زیورات اور بیش قیمت ملبوسات دیے جاتے تھے تو لڑکی والوں کی طرف سے لڑکی کو جہیز کی صورت میں ڈھیروں سامان دیا جاتا تھا اس طرح یہ خرچہ دونوں پر لگ بھگ یکساں ہی پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ بانٹوا میں آخری دنوں تک بھی مکان حاصل کرنے کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا یعنی جہیز میں گھر وغیرہ کا کوئی مسئلہ کبھی کھڑا نہیں ہوا تھا اس لیے جماعت نے بھی لڑکے والوں کی جانب سے جہیز کی موٹی رقم کا مطالبہ کرنے پر اس کے خلاف کارروائی نہیں کی تھی کیونکہ یہ مسئلہ کھڑا ہی نہیں ہوا تھا۔ مگر پاکستان آنے کے بعد صورت حال بدل گئی۔ شروع میں تو حسب روایت منگنی اور شادی کی گئی مگر بعد میں محسوس کیا جانے لگا کہ شادی شدہ جوڑے کے رہنے کے لیے مکان کی لازمی ضرورت ہے۔ اسی دوران عالمی جنگ نے لوگوں کے مسائل میں اضافہ کیا تو مکانوں کا حصول ایک بہت بڑا سنگین مسئلہ بن کر سامنے آیا، یہ وہ زمانہ تھا جب ’’پگڑی‘‘ کی روایت نے جنم لیا جو کوششوں کے باوجود ختم نہ ہو سکی اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں معاشرے میں موجود ہے جو ایک تکلیف دہ بات ہے۔

ہر لڑکا شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ الگ گھر میں رہنا چاہتا ہے (جو لڑکی کے والد یا اس کے سسر خرید کر دیتے ہیں) چنانچہ مکانوں کی نئی اور ارجنٹ ضرورت پیدا ہوئی۔ بانٹوا میں لڑکیوں کی بہت کم تعداد الگ گھر میں رہنے کا مطالبہ کرتی تھی مگر پاکستان آنے کے بعد تو ہر لڑکی ہی الگ گھر میں رہنے کا مطالبہ کرنے لگی۔ ہر لڑکی کو آزادی چاہیے تھی جہاں وہ اپنی مرضی سے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ اس کے پیچھے ٹھوس اسباب بھی تھے۔ بہر حال لڑکیوں کے والدین کو یہ بوجھ اٹھانا پڑا اور اس رسم کو ’’پگڑی‘‘ کا نام دیا گیا۔

شروع میں لڑکے والے ''پگڑی'' رقم کی صورت میں وصول کرتے تھے مگر بعد میں وہ اپنی سہولت کے مطابق اس رقم سے خود مکان خرید کر اپنی بیٹی اور داماد کو اس میں آباد کرنے لگے۔ مگر یہاں کچھ لڑکے والوں نے بے ایمانی کی اور بہو کے لیے دی جانے والی پگڑی کی رقم خود استعمال کر لی یعنی اس کے لیے گھر نہیں لیا اور جب گھر کی ضرورت پڑی تو لڑکی کے والدین سے دوبارہ پگڑی کا مطالبہ کر دیا اور اس معاملے میں خاصی ڈھٹائی کا مظاہرہ بھی کیا جانے لگا، ایسے کئی جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے حل کے لئے فریقین ہم سے رجوع کرنے لگے۔

ہم نے اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں اس صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ہم نے یہ بھی طے کیا کہ پگڑی کی رقم سے لڑکی کے نام پر مکان خریدا جائے مگر لڑکے والے نہ مانے اور ان کے والدین اس بات پر اڑ گئے۔ پھر ہم نے یہ تجویز پیش کی کہ ''مکان'' لڑکے اور لڑکی دونوں کے نام پر خریدا جائے یعنی ان کی مشترکہ ملکیت ہو۔ غرض ہم نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ ہمارے پاس لوگوں نے مشورے بھی بھیجے اور تجاویز بھی۔ ہم نے ان سب کا جائزہ لیا مگر ان سب پر عمل درآمد کے لیے لڑکے والوں کا تعاون ضروری تھا جو ہمیں نہ مل سکا۔ پھر بھی ہم نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور ''پگڑی'' کی خراب رسم کے خلاف بھرپور مہم چلائی۔ نوجوان لڑکوں کو جوش دلایا کہ وہ اس رسم کی مخالفت کریں اور پگڑی نہ لیں۔ ہم نے ان کو غیرت بھی دلائی اور شرمندہ بھی کیا، انہیں خدا کا خوف بھی یاد دلایا مگر معمولی حد تک کامیاب ہو سکے۔ ہم نے اس مسئلے پر غور کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ بعض والدین اپنی لڑکی کو اچھے گھرانے میں بیاہنے کی خاطر لڑکے والوں کے ناجائز مطالبات تک مان لیتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کے بعد لڑکے والے اور بھی زیادہ پھیل جاتے ہیں اور خود کو یا اپنے بیٹے کو ''ہیرو'' سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے مطالبے اور گھمنڈ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح ''پگڑی'' ایک دشوار، پیچیدہ اور ناقابل حل مسئلہ بن کر سامنے آیا جس کو حل کرنے اور اس پر قابو پانے کے لیے سنجیدگی کے ساتھ کچھ کرنا تھا۔ اس کے لیے سب سے پہلے پورے معاشرے کی سوچ کو بدلنا تھا تا کہ لوگ خود کو بدلیں اور اپنے بیٹوں کو ''بکاؤ مال'' نہ بنائیں۔

ہم اپنے محدود دائرے میں جو بھی کر رہے تھے، بعض لوگ اس کو سمجھ بھی رہے تھے اور سراہ بھی رہے تھے مگر ایک طبقے نے ہمارے خلاف ایک پوری مہم چلا دی تھی۔ یہ طبقہ لوگوں کو یقین دلاتا تھا کہ اگر اس کو اختیار مل جائے تو وہ دلالتوں اور پگڑی جیسے معاملات کو سرے سے ختم کر دے گا۔ حالانکہ یہ محض زبانی دعوے تھے جن پر کسی کو یقین نہیں تھا۔ 1975 میں جماعت کی مینجنگ کمیٹی کے الیکشن ہوئے تو ہم نے میدان اپنے ناقدین کے لئے خالی چھوڑ دیا۔ ہم چاہتے تھے کہ لوگ ان کی نیتوں اور جھوٹے ارادوں کو جان لیں اور اگر یہ لوگ واقعی معاشرے کی بھلائی کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں۔ بہرحال ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی ''پگڑی'' کی رسم آج بھی موجود ہے اور دلالنیں بھی اس طرح قائم ہیں جس طرح پہلے تھیں۔ ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ وہ اتنی مہنگائی کے باوجود آج بھی اپنی ''محنت کا حق'' دھڑلے کے ساتھ وصول کر رہی ہے۔

چاہے دلالتوں کا مسئلہ ہو یا پگڑی کا، یہ کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ پورے معاشرے کا مسئلہ ہے اور پورے معاشرہ پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے اجتماعی کوششیں کرے۔ اس کے لیے عام روایتی حل نہیں ہو سکتا بلکہ ٹھوس حل نکالنا ہوگا۔ میرے خیال میں اس کے لیے ہمیں خواتین کو آزاد اور خود مختار بھی بنانا ہوگا۔ انہیں ان کے پیروں پر کھڑا کرنا ہوگا۔ ان کے لیے مناسب اور موزوں شعبے قائم کرنے ہوں گے تا کہ وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور پائیدار بن کر سامنے آسکیں۔ یہ خواتین ہر طرح کے ہنر سے لیس ہونے کے بعد بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی کفالت کر سکتی ہیں اور کسی کی مدد کے بغیر بھی معاشرے میں کھڑی رہ سکتی ہیں۔ ہماری خواتین بڑی باصلاحیت ہیں بلکہ بعض شعبوں میں تو مردوں سے بھی آگے ہیں۔ انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی سے کم نہیں ہیں۔ اگر معاشرے میں عورت اور مرد یکساں حقوق کے حامل ہوں گے تو کوئی مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔ (گجراتی سے ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل)

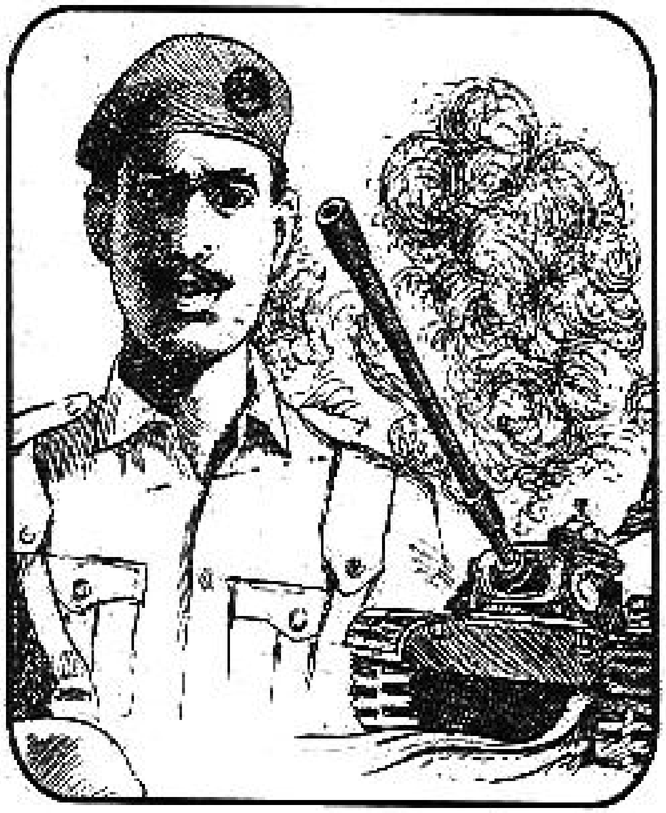

اے وطن کے سجیلے جوانو

جمیل الدین عالی

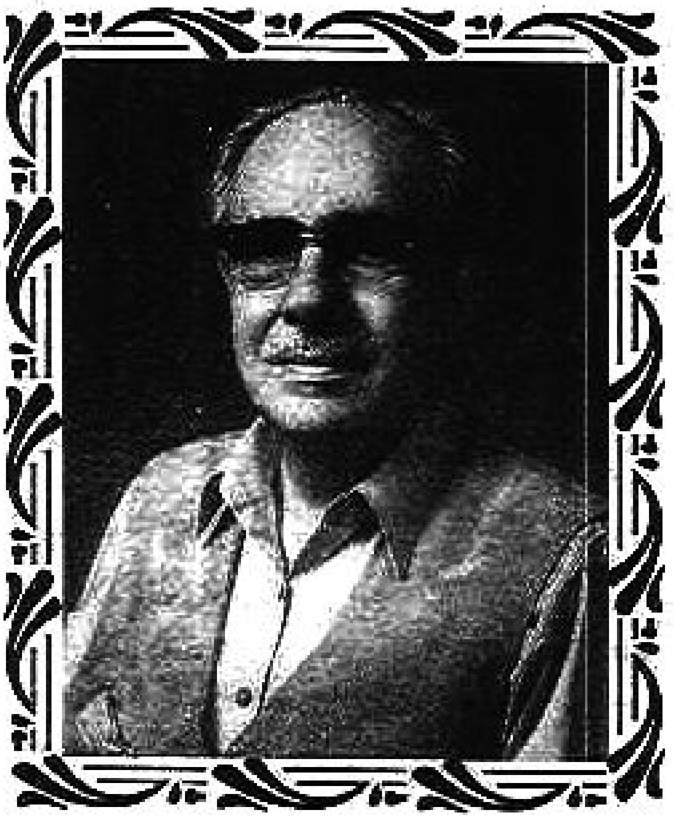

میرے نغمے تمہارے لئے ہیں
اے وطن کے سجیلے جوانو
سرفروشی ہے ایماں تمہارا
جراتوں کے پرستار ہو تم

جو حفاظت کرے سرحدوں کی
وہ فلک بوس دیوار ہو تم
اے شجاعت کے زندہ نشانو
میرے نغمے تمہارے لیے ہیں
اے وطن کے سجیلے جوانو

بیویوں، ماؤں، بہنوں کی نظریں
تم کو دیکھیں تو یوں جگمگائیں
جیسے خاموشیاں کی زباں سے
دے رہی ہوں وہ تم کو دعائیں
قوم کے اے جری پاسبانو
میرے نغمے تمہارے لیے ہیں
اے وطن کے سجیلے جوانو

تم پہ جو کچھ لکھا شاعروں نے
اس میں شامل ہیں آواز میری
اڑ کر پہنچوں گے تم جس افق پر
ساتھ جائے گی پرواز میری
چاند تاروں کے اے راز دانو
میرے نغمے تمہارے لیے ہیں
اے وطن کے سجیلے جوانو

مختصر تاریخی جائزہ

دین کا لازمی اور بنیادی تقاضا

پاک وہند میں تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد

7 ستمبر 1974ء پاکستان کی تاریخ کا انتہائی اہم اور تاریخی اہمیت کا حامل دن ہے

عقیدہ ختم نبوت پر ایمان

عقیدہ ختم نبوت اسلام کا قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔ جس کا تعلق اسلام کے بنیادی عقائد سے ہے۔ جس پر ایمان لانا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے یعنی ایک مسلمان اس بات پر ایمان رکھے کہ حضور اکرم تاج دار ختم نبوت ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور سلسلہ نبوت و رسالت نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ اب آپ ﷺ کے بعد قیامت تک نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ کوئی رسول آئے گا اور آپ ﷺ کی کتاب، شریعت مطہرہ اور تعلیمات تا قیامت ہدایت اور نجات کا آخری سرچشمہ ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت درحقیقت اسلام کے بنیادی عقائد میں وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان کے بغیر دین واسلام کا تصور بھی محال ہے۔ یہ دین کا بنیادی اور لازمی عقیدہ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں، بلکہ اللہ کے پیغمبر اور انبیاء (کی نبوت) کی مہر (یعنی اسے ختم کردینے والے ہیں) اور اللہ ہر شے سے (خوب) واقف ہے۔“ (سورۃ الاحزاب)

یہ وہ عقیدہ ہے جس کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ امت مسلمہ کے کسی بھی مکتبہ فکر نے تمام تر اختلافات کے باوجود کبھی اس پر سمجھوتہ نہیں کیا کیونکہ عقیدہ ختم نبوت اہل اسلام کی شہ رگ حیات ہے۔ یہ وہ آفاقی نظریہ ہے جو قرآن مجید واحادیث نبوی ﷺ سے قطعی ثابت ہے۔ پوری امت کا اس مسئلے پر اجماع ہے۔ 7 ستمبر 1974ء پاکستان کی تاریخ کا انتہائی اہم اور تاریخی اہمیت کا حامل دن ہے کیونکہ اس دن پاکستان کی پارلیمنٹ (قومی اسمبلی وسینیٹ) نے پوری قوم بلکہ امت مسلمہ کی نمائندگی کرتے ہوئے قائد اہلسنت امام شاہ احمد نورانی صدیقیؒ کی زیر قیادت کئی مہینوں کی مسلسل جدوجہد وتحریک اور اسمبلی کی بحث ومباحثے کے بعد آپ کی قرارداد پر مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکار قادیانیوں، مرزائیوں اور احمدیوں کو متفقہ طور پر کافر ومرتد اور غیر مسلم قرار دیا۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے اس فیصلے کو نئی نسل اس مسئلے کی اصل حقیقت، وجوہات، اسباب، قادیانیوں کے عقائد اور ان کی سازشوں کا علم نہیں۔ انہیں مثبت حکمت، دانائی سے بھرپور علمی اور تبلیغی انداز میں یہ سب بتانے کی ضرورت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی نئی نسل کو بھی اس بارے میں آگاہ کرنا ہم سب کی مشترکہ ذمے داری ہے تا کہ کل بروز قیامت یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں تو کسی نے اصل عقائد سے روشناس ہی نہیں کرایا تھا تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ اس لیے تمام مسلمان بالخصوص علمائے کرام اور مساجد کے ائمہ اور خطبائے عظام کی بڑی ذمہ داری بنتی ہے کہ مسلم عوام کو عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت، ضرورت کے بارے میں آگاہ کریں۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے بارے میں بیدار کریں اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت سے انہیں آگاہ کریں۔

بارگاہ رب العزت میں

ہم سب کی دعا

گجراتی کلام: آدم نور (مرحوم)

سابق اعزازی مدیر "میمن ویلفیئر" بمبئی

میری اچھی عمر ہو عمر آخر، فضل و رحمت سے تیری اے دستگیر
سب سے اچھے ہوں میرے پچھلے اعمال سب سے اچھا وقت ہو، وقت اجل
اور ملوں جس روز تجھ سے اے غنی، سب سے اچھا روز ہو میرا وہی
اے ولی اسلام کے اور دستگیر، اے مسلمانوں کے حامی اور ناصر
مجھ کو رکھ اسلام پر قائم و دائم، تادم آخر رہوں تیرا غلام
جب کہ آئے وقت ملنے کا تیرے، میرا ملنا بھی ہو ساتھ اسلام کے
تجھ سے یا رب مانگتا ہوں میں گناہوں سے پناہ، مجھ کو محتاجی و تنگ دستی سے بچا
کل اقارب میرے اور احباب بھی، فضل سے تیرے ہوں خوش حال و غنی
دے بلا کی اس مشقت سے پناہ، جو مجھے کر دے اللہ تعالیٰ بچا
ہر گناہ اور اس کے ہر سامان سے ہر طرح کے ڈنڈ اور تاوان سے
مال و دولت کے برے فتنے سے بھی، فقر و عشرت کے برے فتنے سے بھی
دے پناہ اور فتنہ دجال سے، اس کے غلبے اور دغا کی چال سے
زندگی کے فتنے سے اور موت کے، اور کفر و فسق اور عصیان سے
دل کی سختی سے بھی اور غفلت سے بھی، اور محتاجی سے اور ذلت سے بھی
اور دکھانے اور سنانے کے لئے، کوئی نیکی مجھ سے تو ہونے نہ دے
اور نمائش اور ریاکاری سے دے پناہ، اور مجھے حرص و ہوس سے دے پناہ
گونگا پن، بہرہ پن اور دیوانہ پن، سب سے دے مجھ کو پناہ اے پروردگار
جتنی ہیں بیماریاں سخت اور بری، جن سے لوگوں کا جینا کرتا ہے محال
کوڑھ ہو یا برص ہو یا ہو جذام، دے پناہ اس سب سے رب انعام

بشکریہ میمن ویلفیئر گجراتی (بمبئی) عید ایڈیشن 2006ء

اردو ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل

بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی کے زیراہتمام
کرکٹ کے کھلاڑیوں کے اعزاز میں پروقار تقریب استقبالیہ اور عشائیہ

بانٹوا میمن جماعت کی طرف سے بانٹوا میمن جماعت کی کرکٹ ٹیم Bantva Lions جو کہ حنیف بنگالی کرکٹ ٹورنامنٹ سیزن 4 کی فاتح ہے اس کے اعزاز میں پروقار تقریب استقبالیہ اور عشائیہ کا انعقاد 2 اگست 2022ء کو شب دس بجے بانٹوا میمن جماعت خانہ ہال میں منعقد کیا گیا۔ جس میں کرکٹ ٹیم کے ممبران، بانٹوا میمن جماعت، بانٹوا میمن خدمت کمیٹی اور بانٹوا میمن برادری کی معزز اور سرکردہ شخصیات نے پروقار تقریب استقبالیہ اور عشائیہ میں شرکت کی۔

تصویری جھلکیاں

BANTVA MEMON JAMAT (REGD)

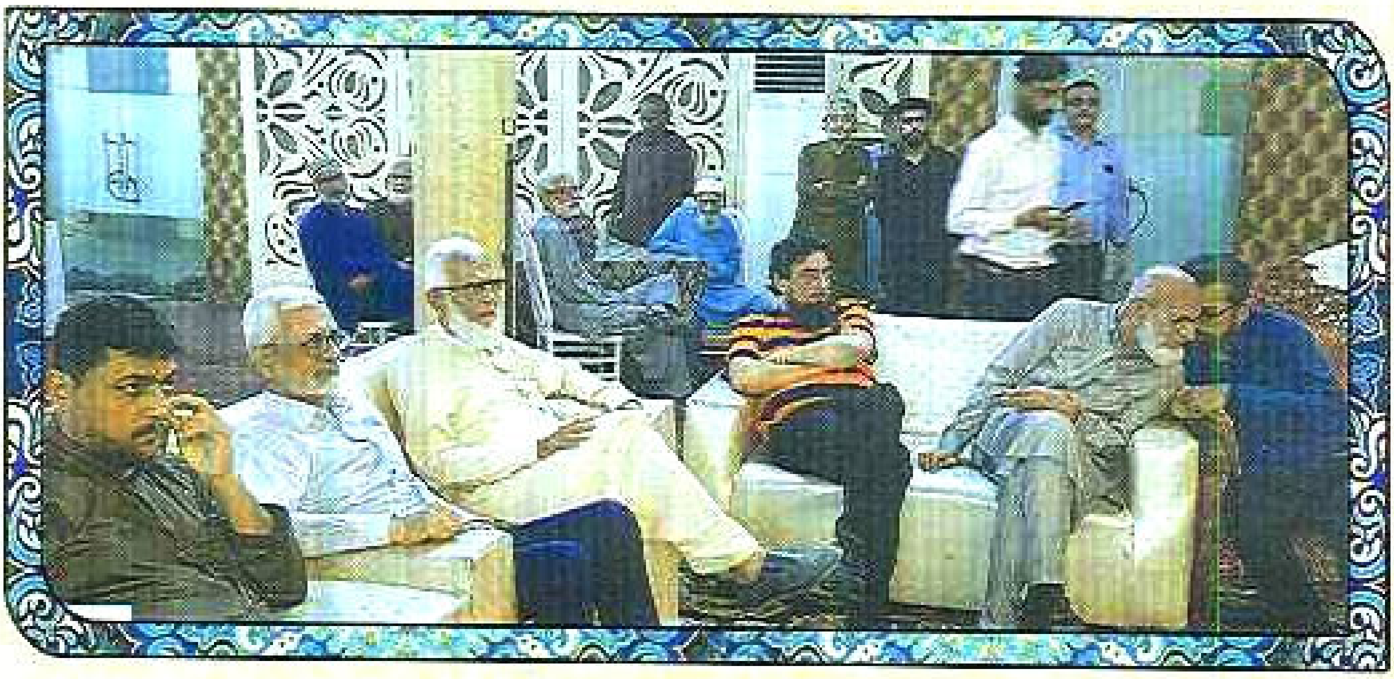

ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ نے ملک عزیز کا علیحدہ تشخص دنیا پر واضح کیا
آج بھی 65ء کے جذبے کی ضرورت ہے، وطن عزیز پر جان نچھاور کرنے والے بہادر سپوت ہیں
ہماری پاک افواج نے بہادری کے وہ لازوال کارنامے دکھائے کہ دنیا حیران اور دنگ رہ گئی

6 ستمبر فخر و وقار کی علامت
یوم دفاع پاکستان۔ یوم تجدید عہد وفا

تحریر: جناب یحییٰ احمد پاریکھ

Mr. Yahay Ahmed Parekh

☆ بے مثال جرات، بہادری اور لازوال قربانیوں سے عبارت 17 دن، افواج پاکستان کے دلیر سپاہیوں کی شجاعت وجذبے کی وجہ سے آج ہم کامیاب ہیں۔

☆ ستمبر 1965ء کی جنگ کے دوران پاکستانی قوم نے جس جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا وہ ہمارے نظریات اور قومی شعور کا مظہر ہے۔ یہ ایک ایسا معرکہ تھا جب ہمیں اپنے سے کہیں زیادہ عددی برتری والے دشمن سے مقابلہ کرنا تھا۔

☆ اس یوم دفاع پاکستان پر ہم خراج تحسین پیش کرتے ہیں ان محافظوں اور بہادر جوانوں کو جو ہمارے لئے اور پاکستان کے لئے اپنی جان قربان کرتے ہیں۔

6 ستمبر ہر سال آتا ہے اور قوم کو وطن کی محبت سے سرشار کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ بات نہیں کہ قوم اس دن کے علاوہ وطن سے محبت نہیں کرتی۔ پاکستان کا ہر فرد اس پاک سرزمین کو دل وجان سے چاہنے والا ہے لیکن 6 ستمبر جسے قوم یوم دفاع پاکستان کے نام سے یاد کرتی ہے، قوم کو وہ وقت یاد دلاتا ہے۔ 6 ستمبر 1965ء کو ایک بڑے دشمن نے حملہ کر دیا تھا۔ بلاشبہ دشمن نے یہ سب کچھ اپنے مدمقابل کو نہایت کمزور اور ناتواں سمجھ کر کیا لیکن اس قوم نے اپنی افواج کے ساتھ مل کر نہ صرف دشمن کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا بلکہ دشمن کے علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا۔ دشمن جو لاہور سمیت پاکستان کے دیگر علاقوں کو فتح کر کے اس نوزائیدہ مملکت کو نعوذ باللہ نیست ونابود کرنا چاہتا تھا، میجر عزیز بھٹی اور میجر شفقت بلوچ جیسے سپوتوں کے سامنے بے بس ہو گیا اور بی آر بی نہر بھی پار نہ کر سکا۔

قوم ہر سال 6 ستمبر کو "یوم دفاع پاکستان" مناتی ہے۔ یوم دفاع قوم میں جہاں ایک نئی امنگ پیدا کرتا ہے وہیں دشمن کے قبیح عزائم کی نشان دہی بھی کرتا ہے کہ کس طرح اس نے ایک آزاد ملک کی آزادی کو سلب کرنے کی ناپاک کوشش کی اور اس قوم کے غیظ وغضب کو دعوت دی جس

Defence Day Of Pakistan

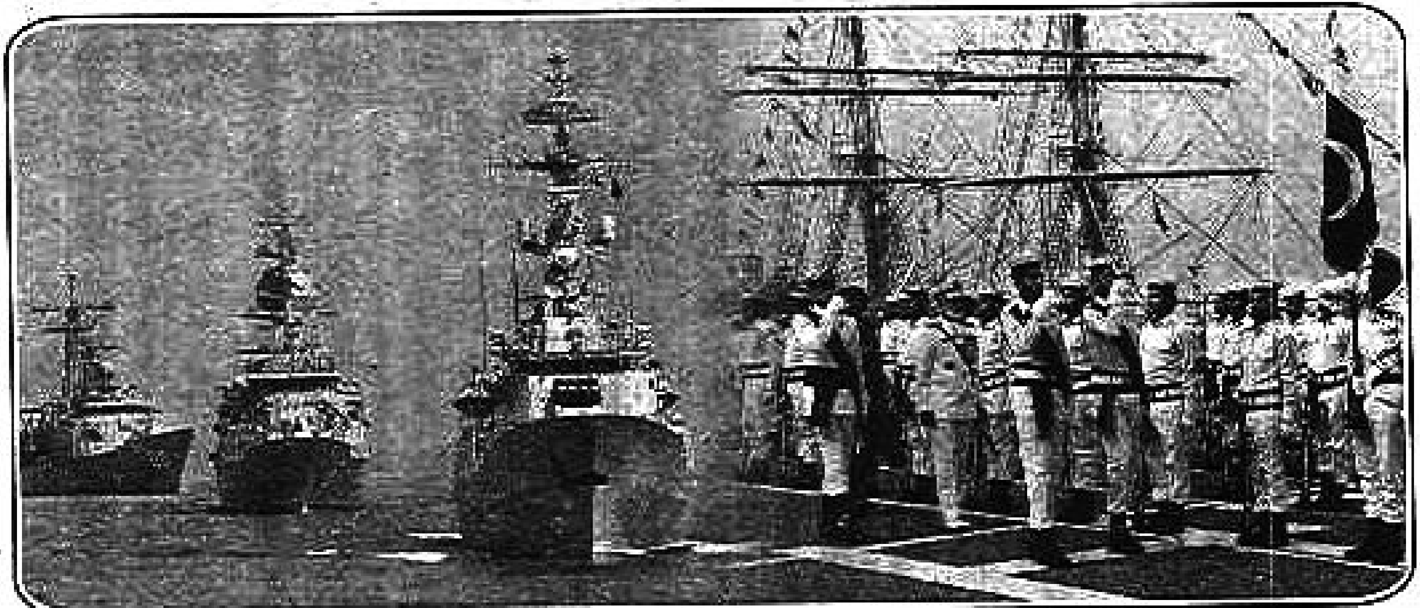

نے صرف دو دہائیاں قبل ہزاروں جانوں کی قربانی دے کر اپنے لیے ایک الگ اور آزاد مملکت حاصل کی تھی۔ جنگ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی پاکستان کی قوم نے اپنے جاں نثار بیٹوں کے شانہ بشانہ ملک کی سرحدوں کا دفاع باقاعدہ انداز میں موثر بناتے ہوئے دنیا کو یہ باور کرادیا کہ ہم ایک زندہ قوم ہیں۔ اس جنگ میں بہادری اور جرات کے جو کارنامے سرانجام دیے گئے اور قربانی کا جو جذبہ دیکھنے میں آیا وہ ناقابل یقین تھا۔

آج بھی قوم میں وہی جذبہ ہے کہ قوم اور افواج پاکستان گزشتہ 14 اگست 1947ء سے 14 اگست 2021ء کے 74 سال کے عرصے سے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔ پاک افواج نے جس طرح دہشت گردی کے عفریت کا مقابلہ کیا ہے اس پر بین الاقوامی طاقتیں بھی انگشت بہ دنداں ہیں۔ اس میں دو رائے نہیں کہ پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دنیا بھر کے ممالک سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ ستمبر 1965ء میں دشمن فوج سترہ روزہ جنگ میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

پاکستانی قوم نے جس جرات اور بہادری کا مظاہرہ جنگ کے دنوں میں کیا وہ ہمارے نظریات اور قومی شعور کا مظہر ہے۔ یہ ایک ایسا معرکہ تھا جب ہمیں اپنے سے کہیں زیادہ عددی برتری والے دشمن سے مقابلہ کرنا تھا اور قوم کا یہی جذبہ تھا جس نے ہماری افواج کو دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔ جہاں ہماری بری فوج نے دشمن کو اس کی جارحیت کا دندان شکن جواب دیا وہیں ہمارے شاہینوں نے بھی پیشہ ورانہ مہارت کے اعلیٰ معیار قائم کیے۔ ان معرکوں میں پاک بحریہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھی کہ اس نے ناقابل فراموش کارکردگی سے دشمن کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ جنگ ستمبر 1965ء میں پاکستانی عوام کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ یہ معرکہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کا امتحان تھا جس میں سرخرو ہو کر قوم نے ثابت کیا کہ وہ اپنے سرحدی محافظوں کے ساتھ ہے۔ قوم میں پایا جانے والا اتحاد اور شہریوں کا عزم لاہور، سیالکوٹ اور سرگودھا میں لہراتے ہوئے ہلال استقلال سے عیاں ہوتا ہے۔ جنگ ستمبر کا ایک محاذ ہمارے ادیبوں، شاعروں، گلوکاروں نے سنبھالا اور ولولہ انگیز ترانے اور نغمے تخلیق کیے جو نہ صرف قوم کے جذبات کے ترجمان تھے بلکہ میدان جنگ میں مصروف کار عساکر پاکستان کے جوش اور ولولے کی ضمانت بھی تھے۔ رئیس امروہوی کا لکھا ہوا ملی نغمہ خطہ لاہور تیرے جاں نثاروں کو سلام جب مہدی حسن کی آواز میں ریڈیو اور ٹی وی سے نشر ہوا تو اس نے قوم اور افواج پاکستان میں ایک نئی روح پھونک دی۔

تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ان چالیس برسوں میں ہم نے ہر شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں ترقی کی ہے۔ دفاعی شعبے میں مکمل خود کفالت کی منزل حاصل کر لی گئی ہے۔ کیا یہ اعزاز کم ہے کہ پاکستان دنیائے اسلام کی واحد ایٹمی طاقت ہے۔ ہماری افواج جدید اسلحہ و ساز و سامان سے لیس ہیں۔ چھوٹے ہتھیاروں سے لے کر ڈھائی ہزار کلومیٹر تک مار کرنے والے میزائل، جدید بکتر بند گاڑیوں سے لے کر دنیا کے تیز اور موثر ترین ٹینک الخالد تک، مشاق طیاروں سے لے کر جدید لڑاکا طیاروں جے ایف 17 تھنڈر تک اور سب سے بڑھ کر جنگی بحری جہازوں اور جدید ترین آبدوزوں تک اندرون ملک تیار کیے جا رہے ہیں لیکن بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے دفاع وطن کے تقاضوں کو آج بڑے بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ یہ تقاضے آج اس حوالے سے بھی اہمیت اختیار کر گئے ہیں کہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں برسرپیکار ہے۔ اس نے آپریشن ضرب عضب کے ذریعے وزیرستان میں موجود ملکی اور غیر ملکی دہشت گردوں پر ایسی کاری ضرب لگائی ہے کہ انہوں نے بھاگنے میں عافیت جانی۔ بلاشبہ اس کے پیچھے بھی ستمبر 1965ء کی جنگ والا جذبہ ہی ہے جو دہشت گردوں کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں۔

آپریشن ضرب عضب میں بھی پوری قوم پاک فوج کے سپوتوں کے ساتھ کھڑی ہے۔ سیاست داں، دانشور، ذرائع ابلاغ، طلبہ، خواتین، مرد، بوڑھے اور بچے سبھی پاک فوج کی کامیابی کے لیے قائداعظم کے سنہرے قول اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کی عملی تصویر بنے دکھائی دیتے ہیں جو اس امر کی علامت ہے کہ پاکستان کی قوم یکجا ہو جائے تو بڑے سے بڑے خلفشار اور جارحیت سے بھی بہ خوبی نمٹ سکتی ہے۔

اس عظیم جنگی معرکے میں کامیابی کا سہرا افواج پاکستان کے ہر اس افسر اور جوان کے سر جاتا ہے جس نے مشکل ترین حالات میں بھی موت کے خوف سے بالاتر ہو کر بھارتی فوج کے پرخچے اڑا دیے۔ چونڈہ سیالکوٹ کے محاذ پر ہونے والی دنیا کی دوسری بڑی ٹینکوں کی جنگ تھی جس میں پاک افواج نے بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوا دیے۔ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے حوالے سے تین اہم ترین ریکارڈ قائم ہوئے جن کا ذکر دنیا کی جنگی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے شامل ہو چکا ہے۔

ان میں ایک ریکارڈ یہ ہے کہ لاہور ہڈیارہ سیکٹر پر بھارتی فوج کے ایک بریگیڈ کو پاک فوج کی ایک کمپنی نے میجر شفقت بلوچ کی قیادت میں دس گھنٹے تک نہ صرف روکے رکھا بلکہ پورے بریگیڈ کو تباہ کر دیا۔ دوسرا عالمی ریکارڈ ایئر کموڈور ایم ایم عالم کا ہے جنھوں نے صرف چند سیکنڈوں میں بھارت کے پانچ جنگی طیارے گرا کر بھارتی فضائیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ ستمبر 1965ء کی جنگ کی یہ خاص بات ہے کہ بھارت کی بری فوج میدان جنگ میں واضح شکست سے ہمکنار ہوئی، بھارتی فضائیہ کو جنگ کے ابتدائی دنوں میں ہی راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا جبکہ حجم کے اعتبار سے بھارتی بحریہ طاقتور ہونے کے باوجود پاکستانی بحریہ کے ہاتھوں پے درپے شکست سے ہمکنار ہوتی رہی۔ زندہ قومیں ان بیٹوں کو یاد رکھتی ہیں جو اپنی قوم کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے وطن کے باسیوں کو پرامن زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ مورخ خود بھی تاریخ کا حصہ نہیں ہوتے، تاریخ انہیں یاد رکھتی ہے جو تاریخ رقم کر جاتے ہیں۔

پاکستان کی تاریخ بھی ایسے کئی جوانمردوں کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ جنہوں نے جان کا نذرانہ دے کر شہادت کا درجہ پایا، گہرے زخم کھائے یا غازی بن کر لوٹے۔ افواج پاکستان کے ہزاروں ایسے فرزند ہیں جنہوں نے دیدہ و نادیدہ دشمنوں سے لڑتے ہوئے اپنے جسم کا کوئی حصہ اپنے وطن پر قربان کر دیا لیکن ملکی سالمیت پر آنچ نہیں آنے دی۔ یہ وہ بلند حوصلے والے سپاہی ہیں جن کو پوری قوم تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے۔ انہی سپاہیوں نے اہل وطن کو مستحکم پاکستان کی روشن راہیں دکھائی ہیں اور دشمن پر یہ واضح کر دیا ہے کہ جب تک ایسے غازیان وطن موجود ہیں ان کے مذموم مقاصد کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔

زکوٰۃ دیتے وقت بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی کے
فلاحی منصوبوں کو مدنظر رکھیں
اپنی جماعت یہ عمدہ فریضہ بہ خوبی اور آسانی سے انجام دے سکتی ہے

مسجد اور جماعت خانہ میں کیا فرق ہے؟

☆ مسجد کی جائیداد وقف ہوتی ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاسکتا جبکہ جماعت خانہ کی عمارت یا جائیداد کو فروخت کرنے کی اجازت ہے۔

☆ مسجد میں کسی کے بھی داخلے پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی جبکہ جماعت خانہ میں داخلے پر پابندی عائد کرنے کا اختیار جماعت خانہ کی انتظامیہ کو ہے۔

☆ مسجد کی حدود کو وسعت تو دی جاسکتی ہے مگر اس کی حدود میں کمی کا اختیار کسی کو نہیں جبکہ جماعت کی حدود کو حسب ضرورت وسعت بھی دی جاسکتی ہے اور اسے گھٹایا بھی جاسکتا ہے۔

☆ مسجد کو دوسرے مقصد یا مقاصد کے لئے کسی عمارت کی شکل میں نہیں بدلا جاسکتا، یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا گھر یعنی مسجد ہی رہے گی جبکہ جماعت خانہ کی عمارت کو از سر نو کسی بھی چیز میں بدلا جاسکتا ہے۔

☆ مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی نہیں کی جاسکتی جبکہ جماعت خانہ میں نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ کوئی بھی شخص جو ناپاک حالت میں ہو کسی بھی صورت میں مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جبکہ ایسا شخص (جو ناپاکی کی حالت میں ہو) جماعت خانہ میں داخل ہوسکتا ہے۔

☆ پانچ وقت کی فرض نمازوں میں سے کوئی بھی نماز باجماعت وقت مقررہ پر مسجد میں صرف ایک بار ادا کی جاسکتی ہے جبکہ جماعت خانہ میں کوئی بھی فرض نماز (باجماعت) ایک سے زائد مرتبہ بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ یہ بات ہمیشہ یاد رکھی جائے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کا عبادت کرنے کی دوسری جگہوں یا مقامات سے کوئی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا جبکہ جماعت خانہ کی اصلاح بطور ایک عبادت خانہ کی محدود معنوں میں استعمال کی جاتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کی ادائیگی کے لئے جو مقام بھی مخصوص کیا جائے چاہے وہ مسجد ہو یا جماعت خانہ ہم سب کا فرض ہے کہ اس کا پورا پورا احترام کریں اس جگہ کو پاک اور صاف رکھیں اور ان مقامات پر خاموشی اختیار کریں، زیادہ باتیں کرنے، شور شرابے اور فضول گوئی سے پرہیز کریں۔

میمن ایسوسی ایشن یو کے (سووینئر)

بہ موقع میمن عالمی کانفرنس یو کے 28 - 29 اپریل 2001ء

جمیعت العلماء (کے زیڈ این)۔۔ ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل

مطبوعہ: میمن ویلفیئر (گجراتی) بمبئی (انڈیا)

قومی نغمہ

پروفیسر کرم حیدری

اصل نام ملک کرم داد تھا۔عربی و فارسی علم و ادب ان کو ورثہ میں ملا تھا۔ نوعمری میں ہی شعر گوئی کا آغاز کر دیا۔ محکمہ تعلیم پنجاب سے وابستہ رہے اور بحیثیت پروفیسر ریٹائر ہوئے۔ بعد ازاں وزارت حج و اوقاف میں صدر شعبہ اسلامی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ شعری مجموعے حکمت بیدار، دوش فردا اور سایہ گل کے نام سے شائع ہوئے۔ سرزمین پوٹھوہار کی تاریخ و ثقافت اور زبان و ادب کے حوالے سے تحقیقی کام کتابی صورت میں شائع ہوا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی حیات و خدمات کے بارے میں ایک کتاب ملت کا پاسبان اور آزادی موہوم کو نمایاں مقبولیت حاصل ہوئی۔ پروفیسر کرم حیدری کو ہمیشہ ایک محب وطن تخلیق کار کی حیثیت سے شناخت کیا گیا۔ ان کا لکھا ہوا ایک قومی نغمہ اے وطن پیارے وطن پاک وطن پاک وطن گزشتہ نصف صدی سے اہل وطن کی سماعتوں کے لیے ملی شعور کا پیغام ہے۔ استاد امانت علی خاں کی آواز میں یہ نغمہ معروف و مقبول ہے۔

اے وطن پیارے وطن، پاک وطن پاک وطن

اے وطن پیارے وطن، پاک وطن پاک وطن
تجھ سے ہے میری تمناؤں کی دنیا پرنور
عزم میرا ہے قوی، میرے ارادے ہیں غیور
میری ہستی میں انا ہے مری مستی میں شعور
جاں فزا میرا تخیل ہے تو شیریں ہے سخن
اے وطن پیارے وطن، پاک وطن پاک وطن
اے مرے پیارے وطن

تو دل افروز بہاروں کا تروتازہ چمن
تو مہکتے ہوئے پھولوں کا سہانا گلشن
تو نوا ریز عنادل کا بہاریں مسکن
رنگ و آہنگ سے معمور ترے کوہ و دمن
اے وطن پیارے وطن، پاک وطن پاک وطن
اے مرے پیارے وطن

میرا دل تیری محبت کا ہے جاں بخش دیار
میرا سینہ تری حرمت کا ہے رنگین حصار
میرے محبوب وطن تجھ پہ اگر جاں ہو نثار
میں یہ سمجھوں گا ٹھکانے لگا سرمایہ تن
اے وطن پیارے وطن، پاک وطن پاک وطن
اے مرے پیارے وطن

عظمت رفتہ

بانٹوا کا زریں ماضی

بانٹوا: تاریخ وثقافت

تحریر: کھتری عصمت علی پٹیل

Khatri Ismat Ali Patel

بانٹوا کا ماضی بھی شاندار تھا اور اس کا حال بھی زبردست ہے۔ بانٹوا میمن برادری کے کارناموں کو بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ بانٹوا میمن برادری کے لوگ اپنے اسلاف کی روایات اور حوصلے سے واقف ہوسکیں اور یہ دوسری میمن برادریوں کے لیے بھی دلچسپ اور مفید ثابت ہو۔ بھولی ہوئی حقیقتوں کو یاد کر کے اور قلم کے ذریعے اس کی تصویر پیش کرنے کے لیے صرف تصوراتی افسانے کام نہیں آتے بلکہ ٹھوس حقائق ہی تاریخ بناتے ہیں اور یہی بانٹوا میمن برادری کی تاریخ کا اصل حُسن ہے۔

سندھ سے ہجرت کر کے ریاست کچھ کاٹھیاواڑ میں بسنے والی میمن برادری نے جب بانٹوا میں قدم رکھا تو اس وقت یہ لوگ ''مومن'' کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ ان لوگوں کو بانٹوا کے اس وقت کے نوابوں اور درباروں کی طرف سے بانٹوا میں رہنے کی دعوت ملی۔ اس دعوت کو قبول کر کے اس برادری کے کئی لوگوں نے بانٹوا میں رہائش اختیار کی۔ رہائش کے لیے ان کی پوری سہولتیں دی گئیں اور مکانات بنانے کے لیے زمینیں بھی مفت فراہم کی گئیں۔ بانٹوا آئے ہوئے کچھ خاندانوں نے علیحدہ علیحدہ جگہوں پر رہائش اختیار کر لی۔ وہ خاندان جہاں بستے تھے، وہ محلے ان کی ذاتوں کے حوالے سے پہچانے جاتے لگے۔ وہ یادا ڈوسا فریا، جانگڑا فریا، ایدھی فریا، پولانی فریا، بھلڑا فریا اور کھاناتی کھڑکی کے نام سے مشہور ہوئے اور محلے انھی ناموں سے پہچانے جانے لگے۔ بانٹوا میمن برادری جب بانٹوا میں بسی تھی، اس وقت تک ان محلوں کے کوئی نام نہ تھے۔ جیسے ہی ہمارے بزرگوں نے بانٹوا میں قدم رکھا، رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور لوگ بڑی تعداد میں بانٹوا میں آباد ہوتے گئے۔ اس کے ساتھ بانٹوا کی ہر لحاظ سے کایا پلٹنے لگی اور بانٹوا کا نام ہر ایک کی زبان پر آنے لگا۔

بانٹوا میمن برادری نے کاروباری رجحان کی وجہ سے اس شعبے میں بڑے جوش و خروش سے قدم رکھا۔ سب سے پہلے انھوں نے بھادر ندی، اوزت ندی اور امین ندی کے کنارے آباد کیے۔ پھر وہاں اپنے کاروبار کے جھنڈے گاڑے۔ اس کے بعد کاروبار کی توسیع کے لیے کاٹھیاواڑ کے ویراوڑ، پوربندر اور نوی بندر کا رخ کیا۔ اس طرح سے کاروباری دنیا میں بھی یہ لوگ تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ انھوں نے کوکن کنارے کے شہروں مالوا، رتناگری، گووا اور مغرب کی بندرگاہوں، کامنگلور تک اپنے کاروبار کو پھیلا دیا اور پورے مالابار کے علاقے میں اپنے کاروبار کی شاخیں قائم کیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی کئی ریاستوں مہاراشٹر، کرناٹک کے علاوہ ستارا، میرٹھ، سانگلی، بیل گام، دھارواڑ اور ریاست میسور تجارتی مراکز برادری کے بیوپاریوں کی دکانوں اور دفاتر سے بھر گئی۔ تجارتی دنیا میں بانٹوا میمن برادری کا اتنا اعلیٰ مقام تھا کہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ

پورے برصغیر کی تجارت پر بانٹوا میمن برادری کا کنٹرول تھا۔ مدراس اور موجودہ آندھرا پردیش کے مشہور علاقے ریاست حیدرآباد دکن، تقسیم سے پہلے کا بنگال، سندھ، پنجاب اور دور دور کے علاقے اڑیسہ اور بہار کے بازاروں میں بھی بانٹوا تاجروں کا نام گونجتا تھا اور ان کی کاروباری صلاحیتیں بھی عروج پر پہنچ گئیں۔

رفتہ رفتہ وہ اپنے کاروباری صلاحیتوں کی وجہ سے سیلون (سری لنکا)، برما، ملائیشیا، سیام، انڈونیشیا، انڈوچائنا جیسے سیکڑوں میل دور کے علاقوں تک پھیل گئے اور وہاں بھی تاجر برادری کے طور پر جانے گئے۔ ان کی عقل و فراست اور کاروباری سمجھ بوجھ سے متاثر ہو کر انھیں شاہ سوداگروں کا خطاب دیا گیا۔ بانٹوا کے رہنے والوں کی یہ کاروباری ترقی درحقیقت پوری برادری کے لیے فخر کا باعث تھی۔ بانٹوا کی میمن برادری کے کاروباری علاقوں کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کئی کمپنیوں کی سو سو شاخیں تھیں اور ان شاخوں سے کاٹھیاواڑ کے بے شمار لوگ روزگار حاصل کرتے تھے۔ برادری کی ترقی کے لیے وہ لوگ بھی صف اول کے تاجروں کی حیثیت سے پہچانے گئے جو پہلے ملازمت کرتے تھے۔

کاروبار میں اپنا سکہ بٹھانے والے بانٹوا کی مہم جو قوم نے صنعت میں بھی نمایاں ترقی کی۔ پورے ہندوستان کی بڑی صنعتی ایجنسیاں بھی بانٹوا میمن برادری کے ہاتھ میں تھیں۔ مثلاً ہندوستان ونجی میل کمپنی، ویسٹرن انڈیا میچ (ماچس) کمپنی، ٹاٹا آئل ملز، برما آئل کمپنی، اسٹینڈرڈ ویکیوم آئل کمپنی، کالٹیکس لمیٹڈ، بیری کمپنی لمیٹڈ جیسی سرکردہ صنعتوں کی ایجنسیاں اور کئی سگریٹ کمپنیوں کی ایجنسیاں بھی بانٹوا کے میمن تاجروں کے زیر نگرانی چل رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ کئی کمپنیوں کے منیجنگ ڈائریکٹر اور اعلیٰ عہدوں پر فائز اہلکار اکثر بانٹوا تاجروں سے ملاقات ضروری سمجھتے تھے۔ غیر ملکی جہاز رانی کی کمپنیوں کی ترقی میں بھی بانٹوا کے تاجروں کا بڑا ہاتھ تھا۔ ہندوستان کی برآمدات اور درآمدات کے تاجروں میں بھی بانٹوا کا نام سرفہرست تھا۔ برما سے ہر سال برآمد کیے جانے والے 33 لاکھ ٹن چاول میں سے تیسرا حصہ بانٹوا کے تاجر برآمد کرتے تھے۔

پہلے بانٹوا شہر کے اطراف ایک فصیل تھی جس میں دو دروازے تھے۔ ان دروازوں کو بڑا جھاپا اور چھوٹا جھاپا کا نام دیا گیا تھا۔ اس کے باہر کی زمین ویران اور غیر آباد تھی۔ ترقی کی راہ پر گامزن بانٹوا کے بانٹوا امراء نے قلعہ کے باہر کی زمین خرید کر وہاں بھی دکانیں اور عالیشان عمارتیں تعمیر کر کے اس علاقے کو بھی رہائشی علاقے میں تبدیل کر دیا۔ تلاؤ کے نام سے مشہور جگہ (ماضی میں جہاں تالاب تعمیر کیا گیا تھا) کو بھی میمن امراء نے خرید کر مضبوط عالیشان عمارتیں تعمیر کیں اور ان عمارتوں میں لوگوں کو معمولی کرائے پر رہائش کی سہولتیں فراہم کیں۔ اسی طرح کھڑاؤ، اسلم پورہ، حسین پورہ، مانادر روڈ اور بلگام روڈ پر موجود بے کار زمینیں بھی خرید کر وہاں بھی عالیشان عمارتیں تعمیر کیں۔ اس طرح سے چند سال میں انھوں نے بانٹوا کی شکل وصورت ہی بدل کر رکھ دی۔ قلعہ کے اندرونی بانٹوا شہر اب دور دراز سے بھی پرکشش اور خوبصورت نظارہ پیش کرتا تھا۔

قیام پاکستان کے وقت بانٹوا کی آبادی تقریباً تیس ہزار تک تھی جس میں میمن برادری کی آبادی بیس ہزار تھی۔ دوسرے مسلمان بھی اس میں شامل تھے۔ بانٹوا کی میمن برادری کی قائداعظم کے لیے بے پناہ محبت اور پاکستان کے لیے وفاداری کے جذبات کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب قائداعظم نے برادری کو مصیبت زدہ افراد کی امداد کے لیے پکارا تو اس وقت بھی بانٹوا کی میمن برادری نے ہزاروں کی تعداد میں کپڑے اور پچاس ہزار کی خطیر رقم ریلیف فنڈ میں بھیجی۔ غرض اس برادری نے ہر دور میں خدمات انجام دیں۔

ماخوذات: اساس سورٹھ وسندھ مصنف گل ماگرولی مرحوم، ماہنامہ میمن سماج 1970ء، بانٹوا ماضی اور حال مصنف جناب عبدالرزاق تھاپلا والا، تاریخ بانٹوا مصنف عبدالعزیز کابا، یادوں کی سوغات مصنف عبدالستار گوپلانی۔

گجراتی سے ترجمہ : کھتری عصمت علی پٹیل

کاٹھیاواڑ اور بمبئی کے میمن گھرانوں میں بولی جانے والی

میمنی بولی "بھاشا" ایک شیریں اور میٹھی بولی

ماضی کی درخشاں روایات کی امین اپنی بولی

☆ جس کے ہر ایک حرف اور ہر ایک لفظ سے گویا شہد ٹپکتا ہے

☆ یہ وہ میٹھی اور دل نشیں بولی ہے جس نے صحیح معنوں میں میمنوں کو قوت گویائی عطا کی ہے

☆ میمنی بولی میمن برادری کی شناخت اور اس کی پہچان کے لیے بے حد ضروری ہے

☆ میمنی بولی وہ میٹھی بولی ہے جس نے ریاست کچھ کاٹھیاواڑ اور سندھی زبان کی کوکھ سے جنم لیا ہے

تحقیقی مقالہ

الحاج احمد عبداللہ غریب مرحوم

(بمبئی۔انڈیا) میمن ریسرچ اسکالر تاریخ وثقافت

میمنی زبان یا میمنی بولی ایک ایسی دل نواز میٹھی اور شیریں بولی ہے۔ جس کو میمن گھرانوں کے بڑے، بوڑھے اور جوان بڑے شوق اور ولولے سے بولا کرتے تھے اور انہیں اپنی اس میٹھی بولی پر بڑا فخر محسوس ہوتا ہے مگر آہستہ آہستہ جب سے اس بولی سے ان سب کا ساتھ چھوٹا ہے تو گویا یہ بولی ہی بے سہارا ہوگئی ہے۔ اور اس کے چاہنے والوں کی اس بے پروائی نے اس بولی کو خون کے آنسو پینے پر مجبور کردیا ہے۔ جبکہ کچھ دہائیوں یا کچھ عشروں پہلے تک میمنی بولی ان تمام میمن گھرانوں کے گلے کا ہار ہوا کرتی تھی اور آپ کسی بھی میمن گھر یا گھرانے میں چلے جائیں تو آپ کو اس گھر میں میمنی بولی کے پھول بکھرے نظر آتے تھے یا اس بولی کی خوشبو سے ان گھرانوں کے در و دیوار مہک رہے ہوتے تھے اور وہاں آنے والے لوگ بھی گھر کے باہر کھڑے ہوکر سمجھ جاتے تھے کہ وہ ایک ایسے معزز اور محترم میمن گھرانے میں آئے ہیں جہاں سے وفا اور پیار کی مہک آرہی ہے اور یہی وجہ تھی کہ اس زمانے تک میمنی بولی سے اس کے چاہنے والے بے حد پیار کرتے تھے اور ان کو اس بولی سے اتنی محبت تھی کہ وہ اس سے دور ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔

میمنی بولی بولنے والے میمنوں کا ماضی کا حلیہ اور لباس : ویسے تو میمن حضرات اپنی کاروباری

صفات اور حساب کتاب میں مہارت کے حوالے سے اس دور میں بھی پوری دنیا سے اپنی مہارت کا لوہا منوا چکے تھے اور ایک دنیا ان کے اس حساب کتاب کی مہارت کو بہت پسند کرتی تھی اور اسی لیے میمن برادری سے تعلق رکھنے والے لوگ بالخصوص کاروباری حساب کتاب کے شعبے میں بہت آگے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ ان کا مخصوص لباس اور پہناوا بھی انہیں مخصوص شناخت عطا کرتا تھا۔ معتبر کتابوں، رسالوں اور دستاویزات میں لکھا ہے کہ اس دور کے میمن نہایت سادہ مزاج ہوا کرتے تھے۔ وہ سادہ لباس بڑے وقار کے ساتھ زیب تن کیا کرتے تھے۔ ان کے جسم پر عام طور سے لمبی قمیض، لمبا پاجامہ، لمبا کرتا واسکٹ اور سر پر مخصوص پگڑی یا ٹوپی ہوا کرتی تھی اور اوپر سے جب وہ ہر دلعزیز سادہ سی میٹھی میمنی بولی بولتے تو اور بھی اچھے لگتے تھے۔

مذہب سے لگائو اور سخاوتیں : اپنے سادہ مزاج میمنوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ مذہب سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہیں۔ میمن حضرات کی زندگیوں میں مسجد اور مدرسے کو بہت عمل دخل تھا۔ وہ نماز، روزے کے پابند تھے۔ نمازیں بھی پابندی سے ادا کرتے تھے اور روزے بھی بڑے اہتمام سے رکھتے تھے۔ جب روزے رکھتے تھے تو ان کے اندر سخاوت اور فیاضی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ خاص طور سے رمضان المبارک میں روزے اور سحری میں دعوتوں کا اہتمام کرتے تھے بلکہ اس مقدس مہینے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی خصوصی دلچسپی لیتے تھے اور اسی لیے ان کے گھروں پر زکوٰۃ لینے والوں کا ہجوم جمع رہتا تھا اور ہمارے میمنوں کی یہ تمام خصوصیات آج بھی ان کے اندر موجود ہیں۔

اصل مسئلہ کب کھڑا ہوا ؟ میمنوں میں اور میمن برادری میں اصل مسئلہ بلکہ مسائل اس وقت کھڑے ہوئے جب انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی ان پرانی روایات کو چھوڑنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا ظلم یہ بھی ہوا کہ وہ اپنی اصل شناخت یعنی میمنی بولی کو چھوڑ کر دوسری زبانوں کے اسیر بنتے چلے گئے جبکہ ان کی میمنی بولی تو ان کو اتحاد کے بندھن میں باندھنے کا اہم ذریعہ تھی۔ جب وہ اس بندھن کو ہی توڑ بیٹھے تو پھر باقی کیا بچتا؟ میمنی زبان یا میمنی بولی کی فراموشی پوری میمن قوم کو بہت مہنگی پڑی۔ وہ دوسری زبانوں کے سحر میں کچھ اس طرح جکڑ گئے تھے اپنی بولی کو ہی بھول بیٹھے!

اپنی بولی یا اپنی زبان کا جادو : کہتے ہیں کہ بولی چاہے وہ انسان کی ہی یا کسی پرندے یا جانور کا۔ اس کا اپنا سحر اور اپنا جادو ہوتا ہے اور وہ اس جادو سے کبھی اپنی جان نہیں چھڑا سکتا۔ شہد کی مکھیاں اپنی مخصوص بھن بھناہٹ سے ایک دوسری سے رابطہ کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ کس سمت میں یا کسی جگہ میں اچھے قسم کا شہد موجود ہے۔ اسی طرح ڈولفن مچھلیاں بھی اپنی مخصوص سیٹی نما آوازوں سے ایک دوسری کو مخصوص پیغام دیتی ہیں اور اپنی ساتھیوں کو آنے والے خطرات سے پیشگی آگاہ کرتی رہتی ہیں بلکہ اپنے پاس بھی بلاتی ہیں۔ اسی طرح کبوتر، گدھ، چیلیں، کوے، مینائیں، فاختائیں، ریچھ، شیر، بندر اور طوطے ایک دوسرے کو مطلوبہ اور اہم ترین پیغامات پہنچا کر ایک طرف تو انہیں خطرے سے بچاتے ہیں اور ساتھ ساتھ ملاپ کے زمانوں میں ان کو طلب کر کے اس کے ساتھ اپنے رابطے بڑھاتے ہیں۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو پرندے، جانور اور آبی جانوروں کے ساتھ ساتھ زمین پر رہنے بسنے والے جانور بھی اسی رابطے والی بولی کے ذریعے آپس میں رابطے کرتے ہیں اور اپنی نسل کے تحفظ کے لیے ضروری اہتمام کرتے ہیں۔

بولیوں کی ایک اور قسم اشاری بولی ہے جس میں ٹریفک سگنلز پر نصب سبز، سرخ، زرد و دیگر بتیاں ہمیں یعنی ڈرائیورز کو یہ بتاتی ہیں کہ کب ہمیں رکنا ہے، کب آگے جانے کے لیے تیار ہونا ہے اور کب ایک دم چل دینا ہے۔ یہ اشارتی زبان ہے جو محض اپنے رنگوں کے ذریعے وہاں موجود

تمام گاڑی سواروں کو مخصوص پیغام دیتی ہے اور اس طرح ایک سے دوسرے کے رابطے کا سبب بن کر آسانی اور سہولت پیدا کرتی ہے۔

مگر انسان سے ایک بہت اہم غلطی یہ ہوئی کہ وہ ان رابطے کی زبانوں سے نہ صرف محروم ہو گیا بلکہ اس نے اپنی مخصوص بولیوں یا بولی کو بھی خود ہی فراموش کر کے اپنے زوال اپنی شناخت کا مکمل بندوبست کر لیا جس کے بعد کسی بھی قوم، گروہ یا زندگی کی بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے اور یہی سب کچھ آج اپنی میمن برادری، گجراتی برادری یا دیگر بولیوں والے طبقوں کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

اپنی بولی یا زبان سے محرومی : تاریخ گواہ ہے کہ انسان نے اپنی مخصوص بولی یا زبان سے محرومی کی بہت بڑی اور سنگین سزا بھگتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر میمنی زبان یا میمنی بولی بولنے والی برادری وہ اپنی زبان سے دور ہوتی گئی۔

یاد رکھیے کہ جو قومیں اور برادریاں اپنی مخصوص شناخت یعنی اپنی بولی اور اپنی ثقافت کو زندہ نہیں رکھ پاتیں وہ جلد ہی اپنے جداگانہ شخصیت اور اپنی شناخت کو کھو دیتی ہیں ایسے میں اگر ہماری بطور قوم اور بہ طور برادری شناخت کے لیے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ فوری طور پر ایکشن میں آئیں، ہنگامی اقدامات اٹھائیں اور وقت ضائع کیے بغیر اپنی تہذیب و ثقافت کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے عملی اقدامات کریں۔ ہماری زبان ہماری تہذیب، ہمارے کلچر اور ہماری ثقافت کی امین ہے۔ یہ ہماری روایتوں کی بھی امین ہے۔ ہماری امتیازی شناخت کی بھی سب سے بڑی امین ہے۔

اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی دہائیوں پرانی روایات کی طرح اپنی مخصوص روایات اور اپنی زبان کو گھروں، کاروباری اداروں، سماجی اداروں، محفلوں، شادی بیاہ کی تقریبات میں بھی استعمال کریں اور جب بھی آپس میں نجی بات چیت کریں یا نجی کاروباری اور دیگر معاملات پر اظہار خیال کریں تو میمنی بولی میں ہی کریں! ایسا نہیں ہے کہ ہماری کوئی بولی یا زبان نہیں ہے۔ ہم الحمدللہ! صاحب زبان بھی ہیں اور بولی والے بھی ہیں۔ ہم کوئی گونگی قوم نہیں ہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نے اب تک جو بھی نقصان کیا ہے اس کا ازالہ کریں اور میمنی بولی، میمن زبان کو پہنچنے والے نقصانات سے خود کو بچانے کے لیے اہم اور سنجیدہ اقدامات کریں تاکہ ہماری تہذیب کو ثقافت کو تحفظ مل سکے اور ہم بطور قوم نہ نقصان نہ کر سکیں کیونکہ اب وہ وقت آ گیا کہ ہم مزید قومی اور برادرانہ نقصان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اب تک ہمارا جو بھی قومی نقصان ہوا ہے وہ پہلے ہی ہماری برادری اور ہماری قوم کو بہت نقصان پہنچا چکا ہے۔ اگر ہم نے اس کے سامنے فوری طور پر بند نہ باندھا تو پھر ہمارے اس قومی ورثہ کا نقصان کا بہت بڑا خمیازہ ہمیں خود ہی بھگتنا ہو گا جس کے نقصان کی قدر و قیمت کا ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

میمنی بولی (زبان) کو ہماری ضرورت ہے اس کو گلے لگائیے : یہ وہ اہم وقت ہے جبکہ ہماری اپنی میمنی بولی یا میمنی زبان کو ہماری ضرورت ہے وہ ہمیں زور زور سے آوازیں دے کر ہمیں پکار رہی ہے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے اگر میمنی بولی نہیں رہی تو ہم بھی نہیں رہیں گے۔ اس لیے ہمیں اس کی پکار کا جواب دینا چاہئے اور اس کی مدد کو آگے بڑھنا چاہیے تاکہ اس کی مدد کرتے کرتے ہم خود اپنی بھی مدد کر سکیں۔ اگر ہم نے اس وقت میمنی بولی یا میمنی زبان کو گلے لگا لیا اور اس کی مدد کی تو سمجھ لیں کہ اس طرح ہم خود اپنی بھی مدد کر سکیں گے۔

میمن بولی یا زبان ہماری اپنی منفرد شناخت کا اہم ذریعہ ہے۔ اگر ہم نے اس شناخت کو دوبارہ سے اپنا لیا اور اس زبان کا استعمال شروع کر دیا تو ڈھیروں مسائل خود ہی حل ہو جائیں گے۔ جیسے کہ سب سے پہلے تو ہم اپنے گھروں، دفاتر، کاروباری اداروں اپنی اسکولوں اور اپنے

کالجوں میں اس میٹھی بولی کو دوبارہ فروغ دیں۔ اس بولی کو اسکولوں کے نصاب میں شامل کرائیں تا کہ اس زبان و بولی کو پڑھنے اور بولنے والے اس میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک سکیں اور اس کے نتیجے میں خود کو بھی بطور قوم توانا اور مضبوط بنا ئیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ زیادہ تعلیم یافتہ اور دولت مند گھرانے میمنی بولی یا میمنی زبان کو قدامت پسند قرار دے کر اسے چھوڑ چکے ہیں اور اس طرح انہوں نے اپنی اہم شناخت اپنی بولی کو ہی گنوا دی کہہ دیا ہے لیکن ہمیں اسے دوبارہ سے اپنانا ہے اور اس طرح سے خود کو توانا کرنا ہے اور آگے آنے والی بہت بڑی مشکل سے بچانا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ سب کچھ بھول کر اور اپنی پرانی غلطیوں کو فراموش کر کے ہنگامی اور جنگی بنیاد پر اقدامات کریں اور میمن ہو تو میمنی بولو، میمنی پڑھو اور میمنی لکھو کا نعرہ اپناؤ اس کے بعد ہی ہمارے لیے اپنا تشخص روشن رکھنے کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے اور ہم ایک بار پھر اپنی پرانی اور درخشاں روایات کو اپنانے کے بعد اپنے اندر ماضی کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔

ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا کلچر اس وقت کہاں ہے اور ہم اس وقت کہاں کھڑے ہیں؟ ہم اس ضمن میں ابھی تک اسی فکر میں ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کرتے اگر یہ غور دیکھا جائے تو ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے کسی طرف جانے کا ہمیں راستہ نہیں مل رہا کہ ہم کہاں جائیں، کب جائیں اور کیسے جائیں۔ اس وقت ہمیں ایک ٹھوس حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم کو فلاں فلاں فیصلہ کرنا ہے اور اس پر ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہنا ہے۔

ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت دنیا میں جن اقوام نے ترقی کی ہے ان میں سب سے اہم اور قابل توجہ شعبہ فیشن کا ہے۔ ہم فیشن اور دکھاوے کی اندھا دھند دوڑ میں ایک دوسرے کو دیکھے بغیر اندھی تقلید کر رہے ہیں اور فیشن کی دوڑ میں ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے ہیں وہ بھی سوچے سمجھے بغیر ہمیں اس ضمن میں بھی غور و فکر کرنا ہے اور اسی مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا ہے۔ یہ وقت بہت اہم ہے اور یہی وقت سوچنے سمجھنے کا ہے اور اس حوالے سے کوئی عملی قدم اٹھانے کا ہے۔ فیشن کی اس وبا کی وجہ سے ہم ایک ایسے شکنجے میں چلے گئے ہیں۔ اگر ہم نے اس وقت بھی اس مشکل سے نمٹنے کا نہ سوچا اور اس حوالے سے کوئی قدم نہ اٹھایا تو مستقبل میں مشکل ہوگی، ہمیں اپنا میمن پن، میمن بولی، میمن ثقافت ماضی سے جوڑ کر مستقبل سے وابستہ کرنا ہوگا۔

بیرونی دنیا کے لوگ کرسمس، نیا سال اور ویلنٹائن ڈے خوب جم کر مناتے ہیں مگر وہ کبھی ہمارے دیسی تہوار نہیں مناتے۔ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور وہ لوگ یہ طریقہ کیوں اختیار کرتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اقوام کو اپنی تہذیب و ثقافت سے پیار ہے اور وہ اس لیے اپنی ان رسومات اور اپنے تہواروں کا اہتمام کرتے ہیں مگر وہ ہمارے دینی تہوار کا اہتمام اس لیے نہیں کرتے کیونکہ وہ ان تہواروں کو مناسب خیال نہیں کرتے۔

کتنی زبانیں؟ ہندوستان کے ہر صوبے کی تہذیب، ثقافت اور کلچر بالکل الگ ہے اس کے علاوہ ان علاقوں اور صوبوں میں بے شمار بولیاں بھی رائج ہیں جو ان علاقوں کے رہنے والے بڑے شوق سے بولتے ہیں اور آپس میں رابطے برقرار رکھتے ہیں۔ یہ سبھی بولیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر تھوڑے بہت فرق سے سبھی بولیاں آپس میں رابطے اور تعلق کی وجہ بنی ہوئی ہیں۔ ریاست کچھ کاٹھیاواڑ اور سندھ میں مختلف علاقائی زبانیں بولی جاتی ہیں اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا سمٹ کر ایک گلوبل ولیج یا عالمی گاؤں بن چکی ہے۔ نئے اور ابھرتے ہوئے ذرائع اور وسائل نے فاصلوں کو سمیٹ کر کم کر دیا ہے۔ لوگ اور خاندان ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہونے کے باعث ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک آ چکے

ہیں۔

ان کے ان قریبی رابطوں نے آپس میں ایک دوسرے میں ضم ہو کر یا Mixed ہو کر ایک نئی زبان کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اب کچھ زبانیں انٹرنیشنل زبانیں بن چکی ہیں جن میں انگریزی، عربی، اردو سرِ فہرست ہیں اور بعض مضبوط، مستحکم اور ترقی یافتہ زبانوں نے خود کو اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ اب چھوٹی علاقائی زبانیں اور بولیاں اپنی جگہ چھوڑنے لگی ہیں اور کچھ عرصے بعد وہ دنیا سے مٹ جائیں گی لہٰذا ہمیں ایسے اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے کہ جب ہم اپنی میمنی بولی کو ایک مضبوط و مستحکم زبان کے روپ میں دیکھ سکیں! اللہ کرے کہ وہ وقت جلد آئے!

بشکریہ: میمن ویلفیئر (گجراتی) بمبئی۔ مطبوعہ اپریل 1966ء

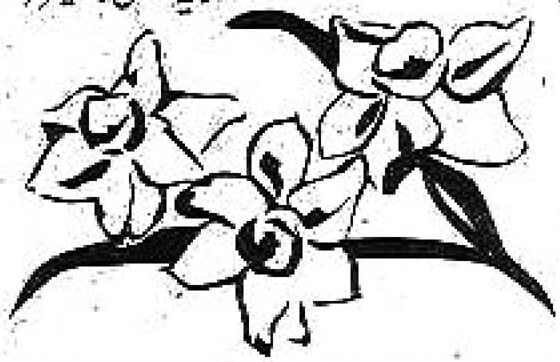

بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی اور بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کے

سابق اعزازی جنرل سیکریٹری اور ممتاز سماجی شخصیت

حاجی عبدالغفار حاجی عبدالشکور نی نی

کی غم انگیز رحلت

بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی کے سابق اعزازی جنرل سیکریٹری اور ممتاز سماجی شخصیت حاجی عبدالغفار حاجی عبدالشکور نی نی مختصر علالت کے بعد مورخہ 16 اگست 2022ء کو 83 سال کی عمر پا کر رحلت فرما گئے۔ نماز جنازہ دوسرے دن ادا کی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی نماز جنازہ، تدفین اور قرآن خوانی (فاتحہ سوئم) میں بانٹوا میمن جماعت، بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کے عہدیداران اور مجلس عاملہ کے اراکین اور میمن ویلفیئر کمیٹی کے عہدیداران، رہنما، سماجی کارکنان، دوست احباب کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

قرارداد تعزیت ۔ بانٹوا میمن جماعت اور بانٹوا میمن خدمت کمیٹی

بانٹوا میمن جماعت اور بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کے سابق جنرل سیکریٹری، ممتاز بزرگ سماجی شخصیت کی غم انگیز رحلت پر بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی اور بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کے عہدیداران، مجلس عاملہ کے اراکین اور سب کمیٹیوں کے کنوینر صاحبان نے جناب عبدالغفار حاجی عبدالستار نی نی مرحوم کے لواحقین سے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ مرحوم کی مغفرت کر کے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے (آمین)

اپنی جاں نذر کروں!

کلام: مسرور انور

اپنی جان نذر کروں، اپنی وقا پیش کروں
قوم کے مرد مجاہد، تجھے کیا پیش کروں
اپنی جاں نذر کروں

تو نے دشمن کو جلا ڈالا ہے، شعلہ بن کے
ابھرا ہر گام پہ تو، فتح کا نعرہ بن کے
اس شجاعت کا تجھے، کیا میں صلہ پیش کروں
اپنی جاں نذر کروں

عمر بھر تجھ پہ اللہ، اپنی عنایت رکھے
تیری جرات، تری عظمت کو سلامت رکھے
جذبہ شوق شہادت کی دعا پیش کروں
اپنی جاں نذر کروں

دل میں پیدا کیا، اک جذبہ تازہ تو نے
میرے گیتوں کو نیا حوصلہ بخشا تو نے
کیوں نہ تجھ کو انہی گیتوں کی نوا پیش کروں
اپنی جاں نذر کروں

سادگی: باعثِ سکونِ قلب

جناب عبدالجبار علی محمد بدو

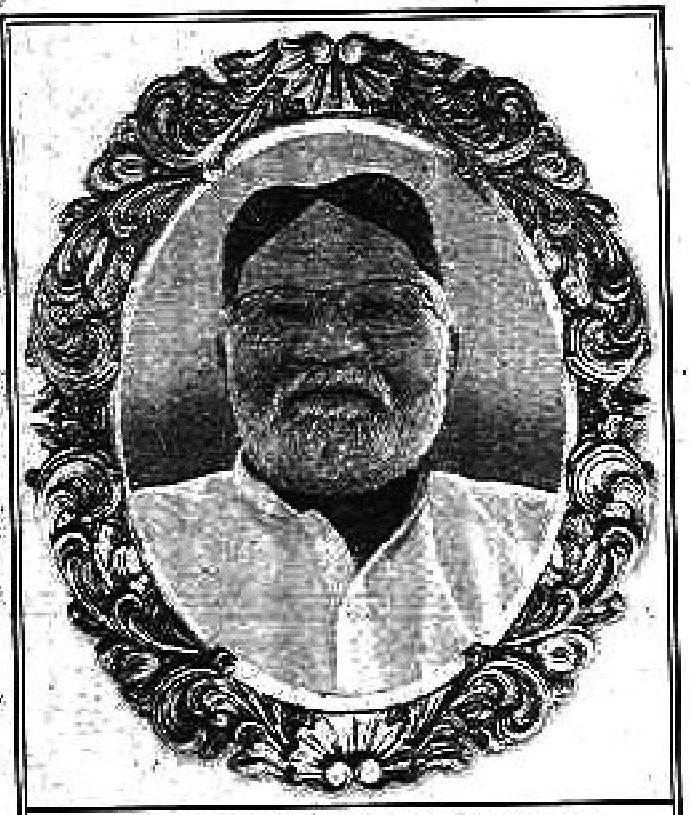

Mr. Abdul Jabbar Biddu

"سادگی" کے معنی صفائی، صاف دلی، بے تکلفی اور بھولے پن کے ہیں۔ اگر ہم ان کو جوں کا توں اپنی زندگی میں اختیار کرلیں تو کسی اونچ نیچ کے شکار نہ ہوں۔ سادگی یہ ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہم نمائش، بناوٹ اور دکھاوے سے پرہیز کریں اور کسی صورت بھی حد سے آگے نہ بڑھیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ ایسا طریقہ اپنانے سے ہم خود بھی کسی مالی اور ذہنی پریشانی میں مبتلا نہیں ہو پائیں گے اور بے شمار غریبوں کے لئے بھی اچھی مثال قائم کرکے انہیں آسانیاں فراہم کرسکیں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے ایک نمونہ ہے۔"

دوسرے مقام پر حکم ہوا: "رسول اکرم ﷺ جس بات کا حکم دیں وہ بجالاؤ اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔"

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں حضور اکرم ﷺ کی سادگی کے بارے میں لکھا ہے: "حضور اکرم ﷺ روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیے۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرمالیتے۔ پہننے کو موٹا جھوٹا جو کچھ بھی مل جاتا پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ آپ ﷺ کے لئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی۔ لباس میں نمائش ناپسند فرماتے تھے۔ غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند تھی۔"

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ بھی اپنے نبی اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے، مگر ان کا رہن سہن اتنا سادہ تھا کہ کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ گورنر ہیں۔ ایک بار کسی شخص نے گھاس خریدی اور حضرت سلمان فارسیؓ کو مزدور سمجھ کر گٹھری سر پر لاد دی۔ وہ چلے تو لوگوں نے کہا: "یہ امیر ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں۔"

اس نے کہا "معاف فرمایئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں بوجھ اتار دیجئے۔"

فرمایا: "نہیں اب تو تمہارے گھر پہنچا کر ہی اتاروں گا۔"

ہم اپنے دوستوں اور عزیزوں میں اٹھتے بیٹھتے ہوئے تکلف کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال سادگی کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ ہم خوشی اور غمی کے مواقع پر اور روزمرہ کی تقریبات میں اپنا ظاہری بھرم قائم رکھنے کے لئے بہت کچھ کرجاتے ہیں حالانکہ وہ کرنے کی ہم میں ہمت اور طاقت نہیں ہوتی۔ بس یہیں ہمیں سادگی اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے زندگی میں کامیابی بھی ہے اور خوشی بھی۔ سادگی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کچھ نہ کریں۔ سادگی تو ایک ایسی علامت ہے جو ہماری اس سوچ کو ظاہر کرتی ہے کہ ہم بے جا نمود و نمائش اور

تکلف کو ناپسند کرتے ہیں اور سادہ زندگی کو حقیقی راحت اور سکون قلب کا باعث سمجھتے ہیں۔ اپنی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اس طرزِ عمل کو بدل ڈالیں اور حقیقی معنی میں سادگی اختیار کریں۔

پانی نعمت ہے... نعمت کی قدر کیجئے

پانی زندگی ہے... زندگی کو اہم جانیے

پانی ضائع نہ کیجیے

پانی کے حصول، حفاظت اور ذخائر کو اپنی قومی سوچ کا حصہ بنایئے

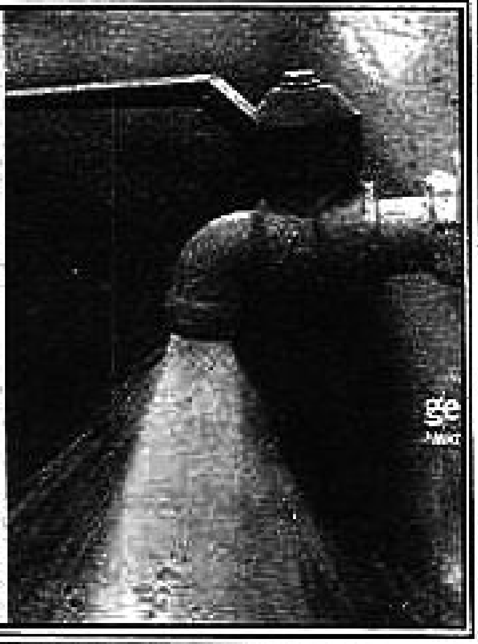

پگڑی کی بھیانک تصویر

داماد بغیر پگڑی کے نہیں ملتا یا پھر یہ کہا جائے کہ بغیر پگڑی بیٹی کی شادی نہیں ہو سکتی۔ معاشرے میں پھیلی ہوئی اس لعنت کے ردعمل کے طور پر جو بھی بُرے نتائج رونما ہو سکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں لڑکے اور لڑکی کی ازدواجی زندگی جس طرح تباہ ہو سکتی ہے، اس پر ہم تھوڑی دیر کے لیے غور کریں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پگڑی کے عوض کیے گئے رشتوں میں سب سے پہلے جو تلخ حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ کہ بجائے دلہن کے دولہا کی رخصتی ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر اور گھرہستی کا سارا سامان لڑکی کی نجی ملکیت ہوتا ہے۔ لڑکی تو اپنے ہی مکان میں جاتی ہے بجائے اس کے کہ لڑکا اپنی بیوی کو چاردیواری اور معاشی تحفظ فراہم کرے۔ وہ اس سلسلے میں اپنے بیوی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ پھر ازدواجی زندگی میں کسی وقت کوئی تنازعہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت شوہر نامدار کی کیا مجال ہوگی کہ وہ اپنی بیوی کو گھر سے نکل جانے کا حکم دے سکے۔ البتہ وہ حضرت خود اپنے میکے تشریف لے جا سکتے ہیں۔

لڑکے کے والدین پگڑی کے عوض بیٹے کو فروخت کرنے کے باوجود یہ سپنا سجائے رکھتے ہیں کہ ان کا بیٹا ان کے بڑھاپے کا آسرا ہوگا اور آنے والی بہو ان کی خدمت کرے گی اور پھر عبرت کا مقام تو اس وقت ہوگا جب احساس کمتری اور احساس محرومی میں مبتلا مرد کی اولاد جب ہوش سنبھالے گی تو اپنے تہی دست باپ کی بے بسی و لاچاری کو دیکھ کر اسے کیسے باعزت و احترام سمجھے گی؟ ایسے ماحول میں باپ کا کیا وقار باقی رہ سکتا ہے؟ مزید یہ بھی ممکن ہے کہ اس تذلیل کے باعث اس کو گھر چھوڑنا پڑ جائے اور پھر وہ کسی ''محتاج گھر'' کا آسرا لیتا ہے یا فٹ پاتھ پر سوتا اور بھٹیار خانے میں کھانا اس کی بقایا زندگی کا معمول بن سکتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی لاچاری کو دیکھ کر سودے بازی کرنے والا آپ کے حق میں کس طرح دعا گو ہوگا، یہ وقت کا دھارا ہی بتا سکتا ہے۔

فضول رسم و رواج اور نمود و نمائش

الحاج محمد صدیق پولانی مرحوم کی گجراتی تحریر کا ترجمہ

Late Saddique Polani

میمن برادری عظیم روایات کی حامل برادری ہے اور اس کی پوری تاریخ اعلیٰ مذہبی اور سماجی اقدار سے بھری ہوئی ہے۔ اس برادری کے ماضی کے کارنامے اس کے شاندار ماضی کے آئینہ دار ہیں، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور میں ہماری برادری ہمارے بزرگان اور آباؤ اجداد کے طور طریقوں اور طرز زندگی کو فراموش کر چکی ہے۔ ہر مرحلہ پر ہمیں آج اس سنہری دور کی یاد آتی ہے جب ہماری برادری کا ہر فرد بغیر کسی تذبذب اور پس و پیش کے صرف ان مثبت روایات اور رسم و رواج کو اپناتا تھا اور ان کا پابند رہتا تھا جو برادری کی پنچایت، کسی مرکزی ادارے یا بزرگوں کی طرف سے لاگو کئے جاتے تھے جبکہ آج یہ حال ہے کہ ہم ہر طرف سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف ان قوانین کو اپنا رہے ہیں جن کا بزرگوں اور برادری سے تو کیا اخلاقی ضابطوں سے بھی دور کا واسطہ نہیں۔ اس مختصر سی تحریر کو میں صرف تمہید باندھنے میں ضائع نہیں کرنا چاہتا، بلکہ بحیثیت ایک ادنیٰ سماجی کارکن اور خاص طور پر اس ذمہ داری کو ذہن میں رکھ کر جو مجھ پر آل پاکستان میمن فیڈریشن کے اعزازی جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے عائد ہوتی ہے۔

میں نہایت عاجزانہ اور مخلصانہ طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل ہماری برادری میں شادی بیاہ، ختنہ، استقبالیوں اور خوشی و مسرت کے ایسے دیگر مواقع پر اپنی متعلقہ جماعتوں و فیڈریشن کے قوانین شہر کے حالات اور اخلاقی ضابطوں کو جس طرح نظر انداز کر کے لوگوں کے لئے زحمت اور پریشانی پیدا کی جاتی ہے، وہ نہایت افسوس ناک اور فکر انگیز بات ہے۔ فیڈریشن کی جانب سے بار بار دی جاتے والی ہدایات کے باوجود شادی کے موقع پر عشائیہ اکثر و بیشتر گیارہ بجے سے پہلے نہیں شروع کیا جاتا جس کی ایک وجہ کھانے کا وہ عجیب سسٹم ہے جس میں جب تک تمام مہمان جمع نہ ہو جائیں، کھانا شروع نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں ویڈیو مووی بنانے کی طویل اور اکتا دینے والی رسم بھی اس کا ایک سبب ہے۔ بعض اوقات صرف دلہن کے نہ پہنچنے پر بھی سینکڑوں لوگوں کو بھوک اور انتظار کا عتاب سہنا پڑتا ہے اور یہ بات اب تک تمام اہلیان برادری کو معلوم ہو چکی ہے کہ ہماری برادری کی کئی خواتین کو ان تقاریب سے رات گئے گھر لوٹنے کے دوران اپنی نقدی اور زیورات سے ہاتھ دھوتے پڑے ہیں اور کبھی کبھار کرفیو کی پابندیوں اور ہنگاموں کی وجہ سے رات بھر اپنے عزیز و اقارب کے یہاں ٹھہرنا بھی پڑا ہے۔

اسی حوالے سے یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ ہمارے یہاں اب بھی بے حد تاکید اور گزارشات کے باوجود کچھ لوگ شادی کے کارڈ فیڈریشن کے متعین کردہ طریقہ کار کے برخلاف نہایت قیمتی اور رنگین شائع کرتے ہیں۔ نیز ایسے موقعوں پر اپنے گھروں میں محفل موسیقی اور ناچ گانے کے دوسرے پروگرام منعقد کرتے ہیں [illegible]

مال سامان اور زیورات کو دلہن سے بھی زیادہ بنا کر سجا کر نمایاں کیا جاتا ہے اور عزیز و اقارب اور محلہ داروں کو اس کی نمائش میں مدعو کیا جاتا ہے۔

عقل حیران ہے کہ ہم کس سمت جا رہے ہیں اور آنے والی نسلوں کو ہم کیا سبق دے رہے ہیں۔ میرا یہ لہجہ یقیناً کچھ تلخ ہو گیا ہے۔ مگر آپ اس تلخی میں سے سچائی کے کڑوے پن کو نظر انداز مت کیجیے اور خدارا غور کیجیے کہ ان خامیوں، کوتاہیوں اور برائیوں سے ہم کو حاصل کیا ہوتا ہے ماسوائے انا کی جھوٹی تسکین کے؟ آخر ہم کب تک اس دلدل میں پڑے رہیں گے؟ اور ہمارے ذات سے کب تک یہ معاشرہ پراگندہ ہوتا رہے گا؟

میں انسانیت کے نام پر اور ہمارے عظیم بزرگان کی اعلیٰ روایات کے نام پر پوری میمن برادری سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ از راہ کرم اس پہلو پر غور کیجیے، فضول رسم و رواج اور نمود و نمائش سے بچنے کی کوشش کیجیے۔ میمن فیڈریشن کے ضابطوں پر عمل کیجیے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دیجیے کہ ایسا کرنا کارِ خیر بھی ہے اور کارِ ثواب بھی اور ہماری آنے نسلوں کے لئے یہ بھلائی اور بہتری کا پیغام بھی ہے۔

نوٹ: میمن فیڈریشن کے سماجی ضابطوں کے حوالے سے لکھا گیا اداریہ

مطبوعہ: پندرہ "میمن نیوز" (گجراتی)۔ چیف ایڈیٹر محمد صدیق پولانی (اداریہ)

ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل

اپنی روزمرہ زندگی کے لئے پانی کی اہمیت کو سمجھیں
پانی کو احتیاط سے استعمال کرنا ہم سب کا فریضہ ہے
اس کا ضیاع ایک مسئلہ ہے

پانی بھی کیا ہے، ایک گھونٹ میسر نہ ہو تو انسان جان سے چلا جاتا ہے اور اگر یہی پانی سیلابی ریلے کی صورت میں آئے تو سینکڑوں انسانوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ پانی قدرت کا ایک انمول تحفہ ہے۔

یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس کا استعمال کیسے کرے۔ پانی کو پینے کے قابل کیسے بنائے اور روزمرہ کے دیگر کاموں میں کیسے استعمال کرے۔ پانی کی کمی اس وقت صرف ہمارے ملک میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے کئی دیگر ممالک میں بھی بحرانی کیفیت کا باعث بنی ہوئی ہے۔

انسانوں میں پانی کی کمی کے احساس کو اجاگر کرنے کے لیے ہر سال 22 مارچ کو پوری دنیا میں "عالمی یوم آب" کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ نے پہلی مرتبہ 1993ء میں 22 مارچ کے دن کو عالمی یوم آب قرار دیتے ہوئے اسے ہر سال منانے کا اعلان کیا تھا۔

بانٹوا میمن اور میمن برادری کی پرخلوص ایثار پسند ہمہ جہت شخصیت

مرحوم کی برادری کے لئے ایسی انمول اور تابناک خدمات جو تاریخ کا ہمیشہ حصہ رہیں گے

بانٹوا میمن جماعت کراچی، بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کے سابق اعزازی جنرل سیکریٹری اور میمن ویلفیئر کے سینئر جوائنٹ سیکریٹری کے عہدے پر خدمات انجام دینے والی ممتاز سماجی شخصیت کی غم انگیز جدائی

حاجی عبدالغفار حاجی عبدالشکور نی نی مرحوم

پیدائش: 15 مئی 1939ء۔ بانٹوا   وفات: 16 اگست 2022ء۔ کراچی

Mr. Haji Abdul Gaffar A. Shakoor Nini

دنیا میں بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں اور اپنے لیے جیتے ہیں۔ ان میں سے کتنے ہوتے ہیں جنہیں قدرت صحت بھی دیتی ہے، دولت میں اور طاقت بھی اور علم اور فن بھی ان کے پاس بہت ہوتا ہے لیکن ان کی یہ سب نعمتیں صرف ان کے اپنے لئے ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں آتے ہیں اور چپکے سے چلے جاتے ہیں لیکن ایسے بھی چند انسان ہوتے ہیں جو محنت سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ ان کی تعلیم اور صحت کا خیال رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اپنی برادری اور قوم کی خدمت بھی کرتے ہیں۔ ان کی یہ خدمت نام کمانے کے لئے نہیں ہوتی، وہ صرف اس لئے یہ کام کرتے ہیں کہ اس سے دوسروں کو آرام اور فائدہ پہنچے۔ ان شخصیات میں محترم حاجی عبدالغفار نی نی مرحوم کا شمار بھی ہوتا تھا۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں لیکن ان خدمات اور ان کی روشن مثال ہیں۔

بانٹوا میمن برادری اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس میں خدمت کا یہ جذبہ رکھنے والی ایک بزرگ شخصیت حاجی عبدالغفار حاجی عبدالشکور نی نی کے روپ میں موجود تھی۔ ان کی زندگی کے حالات سے برادری کے نوجوانوں کی آگہی اور ان کی خدمات کا اعتراف اس برادری کا فرض تھا۔ برادری کے نوجوان صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ان کے پاس علم بھی ہے اور انہیں موافق حالات بھی حاصل ہیں۔ ایسی شخصیتوں سے آگاہی اور ان ہی کی طرح خدمت کا عزم انہیں بھی عزت کا مقام بخش سکتا ہے۔

حاجی عبدالغفار نی نی نے 15 مئی 1939ء کو علاقہ بانٹوا کے گاؤں دھمیا چلیا میں جنم لیا تھا۔ ان کے والد حاجی عبدالشکور نی نی پوربندر میں اناج، کپاس کا کاروبار بڑی محنت سے کرتے تھے۔ اسی محنت اور توجہ سے انہوں نے اپنے بچوں کی پرورش کی۔ ان کے بھائی عبدالعزیز نی نی کے علاوہ ان کی تین بہنیں ہیں جن میں سے ایک کا 1953ء اور دوسری کا 1982ء میں اور بھائی کا 1998ء میں انتقال ہوگیا۔ ان کی ایک بہن بقید

حیات ہیں۔حاجی صاحب نے پہلی جماعت سے تیسری جماعت تک کی ابتدائی تعلیم پوربندر کی قدیم درس گاہ انجمن حمایت اسلام اسکول میں حاصل کی۔1952ء میں انہیں مدرسہ اسلامیہ کھوڑی گارڈن کراچی میں داخل کرادیا گیا۔یہیں سے انہوں نے جولائی 1958ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔انٹر کی تعلیم انہوں نے ایس ایم کامرس کالج کراچی سے حاصل کی۔انہوں نے سماجی خدمت کا آغاز جون 1952ء سے کردیا تھا۔عمر کے ابتدائی مرحلے ہی سے انہیں جذبہ خدمت نے اس کام میں لگادیا اور یا نیو والینٹر کی حیثیت سے انہوں نے خدمت کا سلسلہ شروع کیا۔

انہیں ستمبر 1958ء میں والینٹر کور کمانڈر کی حیثیت سے پذیرائی دی گئی۔اپنی ان سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے برادری کے نوجوانوں میں مطالعے کا شوق پیدا کرنے کے لیے مارچ 1960ء میں ''کھارادر پنجابی کلب'' میں ''انجمن ترقی ملت لائبریری'' کا آغاز کیا اور 1990ء تک اس کے اعزازی جنرل سیکریٹری کے عہدے پر مسلسل منتخب ہوکر مرحوم 30 سال تک یہ مسلسل خدمت انجام دیتے رہے۔

حاجی عبدالغفار کی شادی 27 اکتوبر 1963ء کو جناب عبداللہ شریف جانگڑا (دربار والا) کی بیٹی محترمہ حاجیانی فریدہ بانو سے

حاجی عبدالعزیز کایا صاحب نے اپنی زندگی کی آخری سماجی تقریب اتوار 20 نومبر 2011ء کو شرکت فرمائی تھی۔یہ تقریب دی میمن ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام پروفیشنل اسٹڈی سینٹر بہادرآباد کیمپس 4 کے رسم افتتاح کی تقریب تھی جس کا افتتاح محترم عبدالعزیز کایا کے دست مبارک سے کیا گیا تھا۔اس موقع پر لی گئی یادگار تصویر جناب عبدالغفار فی فی (مرحوم)، روزنامہ وطن گجراتی کے چیف ایڈیٹر جناب عثمان عرب سانی، مرحوم عبدالعزیز کایا، جناب عبدالغفار گنیا، جناب غلام محمد کسباتی اور کھتری عصمت علی پٹیل کا گروپ فوٹو۔

ہوئی۔ حاجی عبدالغفار کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بچوں کی دولت سے نوازا۔ ان میں سے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ جناب محمد جاوید نے بی کام کرنے کے بعد آئی سی اے پارٹ سوم کی تکمیل کی ہے اور ڈاؤ بیکس میں ملازم ہیں۔ جناب محمد اشفاق بھی بی کام ہیں اور رشک گارمنٹس میں کام کرتے ہیں۔ جناب محمد سہیل بی کام کی تکمیل کے بعد کھاناتی جیولرز محبوب مارکیٹ صدر میں کام کرتے ہیں۔ جناب محمد یٰسین نے قرآن حفظ کرنے کے علاوہ سیکنڈ ایئر (کامرس) میں داخلہ لیا ہے اور بچھیا دا بزنس سینٹر میں کام بھی کرتے ہیں۔ آنسہ شبانہ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے۔

حاجی عبدالغفار 1962ء سے 1965ء تک بانٹوا اسٹوڈنٹس یونین کے جوائنٹ سیکریٹری بھی رہے۔ 1966ء میں ان کی خدمات اور لگن کو دیکھتے ہوئے انہیں بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کا اعزازی جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا تھا۔ اس سے قبل انہوں نے 1964ء میں بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کی ممبرشپ حاصل کی۔ بانٹوا میمن جماعت میں بھی تین سال تک مینجنگ کمیٹی کے رکن رہے اور مختلف کمیٹیوں کے ممبر رہے جس میں فیصلہ بورڈ بھی شامل ہے۔ جون 1982ء میں انہیں بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کے جوائنٹ سیکریٹری کے عہدے پر منتخب کیا گیا۔ اگست 1996ء میں بانٹوا میمن خدمت کمیٹی نے انہیں ادارے کے جنرل سیکریٹری کے عہدے کی حیثیت سے منتخب کیا۔ حاجی عبدالغفار کو اللہ تعالیٰ نے 1993ء میں حج کی سعادت بھی عطا کی۔ اس کے بعد 28 فروری 2002ء کو جماعت کے اعزازی جنرل سیکریٹری کے عہدے پر مخلصانہ خدمات انجام دیں۔

وہ آخری سانسوں تک اسی جذبہ خدمت کے ساتھ سرگرم عمل رہے اور مرحوم بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے آخری وقت تک وابستگی رہی۔ اس کے علاوہ مختلف کمیٹیوں میں انہوں نے جو گراں قدر خدمات انجام دیں انہیں دیکھتے ہوئے ان کو ان کی 25 سالہ خدمات کے اعتراف کے طور پر 7 ستمبر 1999ء کو گولڈ میڈل پیش کیا گیا تھا۔ انہوں نے دراصل خدمت کا یہ سلسلہ 1954ء میں ہی قربانی کی کھالیں جمع کرنے سے کر دیا تھا۔ مرحوم کا قلب اس احساس سے سرشار تھا کہ انہوں نے بے غرضی کے ساتھ اپنی برادری کی خدمت کی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ خدمت کا جذبہ انسان میں ہوتا ہے ضرورت صرف اسے عملی صورت دینے کی ہوتی ہے۔ ایک بار خدمت کے میدان میں اتر جاؤ تو کام بھی آسان ہو جاتا ہے اور قلب کو بھی وہ سکون نصیب ہوتا ہے جو دھن دولت سے نہیں ملتا۔ مرحوم کا نقطہ فکر قابل تعریف تھا، سماجی کارکنوں کو رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ حاجی عبدالغفار ٹی مختصر علالت کے بعد مورخہ 16 اگست 2022ء کو 83 سال کی عمر پا کر رحلت فرما گئے۔ نماز جنازہ دوسرے دن ادا کی گئی۔ آج حاجی عبدالغفار ٹی ہم میں موجود نہیں۔ ان کی یادیں، باتیں اور گراں قدر خدمات سماجی اور فلاحی اداروں کے لئے ایک مثال اور سماجی کارکنان کے لئے سیکھنے کے لئے ایک تربیت گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بھگت کبیر نے کیا سچ کہا ہے کہ

کبیر جب ہم ہوئے پیدا، جگ ہنسا ہم روئے
ایسی کرنی کر کے چلو ہم ہنسیں جگ روئے

(تحریر: کھتری عصمت علی پٹیل)

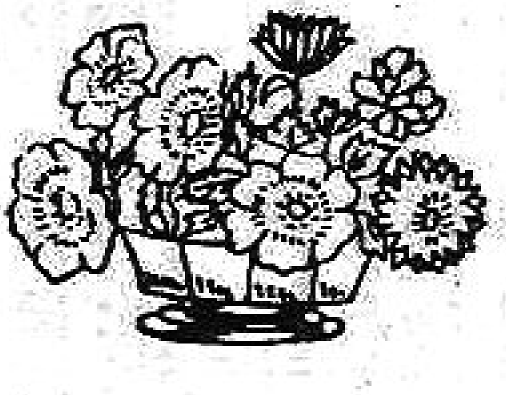

دوپہر کی دعوتوں کا انعقاد کیجیے

اپنی ماضی کی روایات کو زندہ کیجیے!!

شادی بیاہ اور دیگر دعوتیں رات کے بجائے دن میں کیجیے!!

عبدالعزیز عثمان ایدھی مرحوم کی ایک یادگار تحریر

Late Aziz Adhi

شادی بیاہ کی دعوتیں، اہم تقریبات، رسومات اور تہوار وغیرہ۔ یہ سب ایک زمانے میں دن میں منعقد ہوا کرتے تھے۔ شادی کے موقع پر نکاح کا وقت عام طور سے عصر تا مغرب کے درمیان ہوتا تھا اور اس میں اس طرح شرکت کی جاتی تھی جس طرح عبادت میں کی جاتی ہے۔ نکاح بھی مسجد میں ہوتا تھا۔ اس طرح کی تقریب میں شان و شوکت اور دولت کے مظاہرے کے بجائے سادگی اختیار کی جاتی تھی۔

ولیمہ بھی دوپہر کو بعد نماز ظہر ہوتا تھا اسی لیے اسے ظہرانہ کہا جاتا تھا۔ لوگ نہایت خوشی خوشی صبح سے ہی ان تقریبات میں شرکت کے لیے تیاری شروع کر دیتے تھے اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان خوشیوں میں شامل ہونے کے بعد شام کو تھکے ہارے گھر پہنچ جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے رات آرام کے لیے بنائی ہے۔

نہ لوٹ مار کا اندیشہ تھا، نہ رات کی تاریکی کے خطرات سب عمدگی سے دن کی روشنی میں ہو جاتا تھا۔ آپ پرانے لوگوں سے پوچھ لیں۔ ان سے بات کریں تو وہ آپ کو بڑے دل آویز انداز میں دن میں منعقد ہونے والی ان دعوتوں، تقریبات، رسومات اور دیگر رواجوں کے بارے میں بتائیں گے جنھیں سن کر آپ کو ایسا لگے گا جیسے کسی سحر انگیز اور طلسماتی دنیا میں پہنچ گئے ہوں۔

مگر آج۔۔۔ آج کا دور اسی منظر نامے کا الٹ ہو گیا ہے۔ آج جب کسی کے ہاں سے شادی بیاہ میں شرکت کا دعوت نامہ آتا ہے یا کسی خاص تقریب میں یا رسم میں بلایا جاتا ہے تو مہمانوں کے چہرے اتر جاتے ہیں۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتے ہیں کہ اب لمبا خرچا ہوگا۔ پہلے سب گھر والوں کے نئے لباس بنیں گے جن پر اچھی خاصی رقم خرچ ہوگی۔ اس کے بعد وہاں دینے کے لیے بھی نقد رقم یا تحفے وغیرہ کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد جہاں وہ تقریب منعقد ہو رہی ہے وہاں تک جانے کے لیے ٹرانسپورٹ مثلاً ٹیکسی یا کرائے کی گاڑی کا بھی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ رات کے خطرات، لوٹ مار کا اندیشہ، نتیجہ یہ کہ آج دعوت نامے وہ خوشی نہیں دیتے جو ماضی میں دیتے تھے۔ ماضی کی تقریبات خوشیوں کا ذریعہ تھیں لوگ ان میں بڑی خوشی سے شرکت [illegible]

دیا جائے۔ مثلاً ٹریفک جام یا ہنگامہ آرائی کا بہانہ بنالیا جائے، ٹرانسپورٹ کی عدم فراہمی کو جواز بنالیا جائے۔ بس کسی طرح جان چھوٹ جائے۔

اگر غور کیا جائے تو ان تمام اسباب کے پیچھے ٹھوس باتیں ہیں اور وہ سب صحیح ہیں۔ ہمارے بزرگ، ہمارے بڑے اور ہمارے لیڈرز کافی عرصے سے اس خواہش کا اظہار کر رہے ہیں کہ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات رات کے بجائے دن میں کی جائیں۔ اس سے اخراجات بھی کم ہوں گے اور یہ تقریبات و دعوتیں باعث مسرت و برکت بھی ہوں گی اور ہم سبھی لوگ ہر طرح کے خطرات سے بھی محفوظ ہوں گے۔ بس اس میں ایک مسئلہ آڑے آئے گا وہ یہ کہ دن میں لوگ اپنے اپنے کاروبار یا ملازمت کے لیے جاتے ہیں جبکہ رات اپنی ہوتی ہے اس لیے اس وقت میں سبھی لوگ اپنے کاموں وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر پہنچ جاتے ہیں۔ مگر ہم نے جن مسائل اور خطرات کا اوپر ذکر کیا ہے۔ اگر انہیں غور سے اور گہرائی سے دیکھا جائے تو ان حالات میں زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ تمام تقاریب دن میں رکھی جائیں اور دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اگر آپ یہ اعلان کریں گے کہ آئندہ ہم صرف دن میں ہونے والی دعوتوں میں شرکت کریں گے اور رات کی دعوتوں کا بائیکاٹ کریں گے تو اس کے عمدہ اور مثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں امید ہے برادری کے سبھی ارکان اس درخواست پر غور کریں گے۔

پہلے شادی بیاہ کی دعوتیں دوپہر کو ہوتی تھیں اور کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملتا تھا۔ انہیں کوئی دقت بھی پیش نہیں آتی تھی۔ آج بھی ہم اگر دوپہر کی دعوت کرنے کا تہیہ کرلیں تو ہم اپنے مہمانوں کو ایسی تمام مشکلات سے بچاسکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے دعوت میں حاضری بھی زیادہ ہوگی اور دوپہر کو فارغ ہوجانے کے سبب آدھی رات تک کی مشکلات سے بھی بچ سکیں گے۔ یہ ایک اچھی روایت ہے، ہم سب کو مل جل کر جماعت کی سطح پر اور نجی سطح پر اس کے مفید اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور رات کے ڈنروں (دعوتوں) پر بالکل پابندی لگا کر دوپہر کی دعوتوں کا رواج عام کردینا چاہیے تاکہ ہمیں راتوں کے ڈنروں سے چھٹکارا مل سکے اور ایک اچھی روایت کا آغاز ہوسکے۔ ایسا ارادہ کرکے عمل کرنے سے ہی ہوگا۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح

نے سماجی اور فلاحی خدمات کے بارے میں فرمایا

آیئے ہم اپنی عظیم قوم اور اپنی خود مختار مملکت پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے لیے سماجی اور فلاحی خدمات انجام دیں اور ملک کو خوشحال بنانے کی جانب گامزن کریں۔

میں پاکستان کے ہر باشندے کو یہ بات اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ خدمت، ہمت اور برداشت کے سچے جذبے کا مظاہرہ کریں۔ ایسی شریفانہ اور بلند مثالیں قائم کریں کہ آپ کے ہم عصر اور آنے والی نسلیں آپ کی تقلید کریں۔

(کراچی کلب۔ اگست 1947ء)

ماضی کی یادیں اور باتیں

قدیم روایات کی روشنی میں تحریر کیے گئے چند تاریخی حقائق

پگڑی کی تاریخ

گجراتی تحریر: حاجی قاسم حبیب کھانانی (مرحوم)، سابق صدر میمن فیڈریشن

Late Haji Qasim A. Habib Khanani

مضمون نگار کا مختصر تعارف: جناب حاجی قاسم کھانانی کا نام تجارتی و صنعتی، قومی، فلاحی شعبوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کی بے لوث اور مخلصانہ خدمات کی وجہ سے آپ کا شمار صف اول کے ان سماجی قائدین میں ہوتا ہے جن کی خدمات تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ میمن برادری میں آپ کا نام بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی شب و روز کی کاوشوں اور اعلیٰ کردار کے سبب صنعت و تجارت اور معاشرتی شعبوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ جناب حاجی قاسم حبیب نے دو سال تک APMF کی سپریم کونسل کے وائس چیئرمین کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔

وژن 2005ء کو متعارف کرایا تھا۔ حاجی عبدالرزاق ٹیسٹی شہید اور آپ نے میمن برادری کی سب سے بڑی آبادکاری اسکیم بنا کر ضرورت مندوں کو فلیٹ کی فراہمی کی تھی، آپ 30 مئی 2004ء کو میمن فیڈریشن کے دو سالہ مدت کے انتخابات میں کثرت رائے سے صدر کے عہدے پر منتخب ہوئے تھے۔

آپ کے دور میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن اور میمن فیڈریشن میں باہمی روابط مستحکم ہوئے تھے علاوہ فلاحی اور رفاہی اسکیموں میں مشاورت کے سلسلے کا آغاز ہوا تھا۔ رمضان المبارک میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن کی جانب سے ایک ہزار غریب فیملیوں کو راشن کی تقسیم کی گئی جس میں میمن فیڈریشن کے صدر جناب حاجی قاسم کھانانی نے صدر کی حیثیت عملی اور بھرپور تعاون فراہم کیا۔ ورلڈ میمن آرگنائزیشن کو آبادکاری اور مردم شماری کے کاموں میں بھی حاجی قاسم کھانانی کے تجرباتی مشوروں کے ساتھ میمن فیڈریشن کی جانب سے باصلاحیت افراد کا عملی تعاون فراہم کیا گیا تھا۔ علاوہ آپ بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کی مینجنگ کمیٹی (ممبر)، میمن یوتھ آرگنائزیشن (ممبر)، بانٹوا میمن اسٹوڈنٹس یونین کی مینجنگ کمیٹی (ممبر)، آدم جی بورڈنگ ہاؤس کمیٹی (ممبر)، آل پاکستان میمن فیڈریشن (صدر)، یونائیٹڈ میمن جماعت آف پاکستان (نائب صدر سوم)، ورلڈ میمن آرگنائزیشن (پیٹرن اور ممبر بورڈ آف مینجمنٹ) اس کے علاوہ کاٹھیاواڑ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کے عہدے پر کام کر چکے ہیں۔ آپ کو کاروبار اور تجارتی عمدہ کارکردگی میں متعدد ایوارڈز اور اعزازات ملے

ہیں۔تجارت کے شعبے میں غیر معمولی خدمات کے اعتراف میں اچیومنٹ ایوارڈ، بیسٹ ایکسپورٹ ایوارڈ بھی حاصل کیے تھے۔آپ نے بے شمار سماجی اور فلاحی اداروں سے وابستہ رہ کر گراں قدر خدمات انجام دی تھیں جو میمن برادری کے لئے اثاثہ ہیں، در حقیقت حاجی قاسم کھانانی منفرد صلاحیتوں کے مالک تھے، ایک اعلیٰ اور دیانت دار تاجر، ایک سلجھے ہوئے صنعت کار، ایک بیدار مغز رہنما اور غیر معمولی سماجی اور فلاحی خدمت گزار، ایک محترم شخصیت تھے جن کی بنا میمن برادری ان کی شخصیت پر فخر کرتی ہے اور بانٹوا میمن برادری ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

پگڑی کے خلاف آج پوری میمن اور گجراتی برادری میں ایک شور برپا ہے۔اتنی مخالفت تو کسی اور رسم کی نہیں ہوئی ہوگی جتنی پگڑی کی ہورہی ہے۔اس سارے شور وشعب میں مہربان جماعت کے لیے ضروری ہوگیا کہ وہ بھی اس ضمن میں ایک عام میٹنگ بلائے اور اس مسئلے پر بات کرے مگر یہ میٹنگ اس لیے ناکام ہوگئی کہ اس پگڑی کے خلاف دستخط کرنے والوں کی قابل قدر یا مطلوبہ تعداد موجود نہیں تھی۔

لوگوں کے ذہنوں میں ایک سوال یہ سر ابھار رہا ہے کہ کیا یہ پگڑی کی بلا اچانک ہی کہیں سے نکل آئی ہے، کیا اس نے بغیر کسی وجہ کے ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے؟ کیا یہ بلا صدیوں سے ہمارے معاشرے میں رائج ہے یا ابھی آگئی ہے؟ ان سوالوں کے جواب تلاش کیے گئے تو معلوم ہوا کہ پگڑی تو ہمارے معاشرے میں نامعلوم وقتوں سے مختلف صورتوں میں رائج رہی ہے۔میں نے جو تحقیق کی اس کی روشنی میں پگڑی کو مختصر طور پر پیش کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ بات قارئین کی سمجھ میں آجائے!

معاشرتی ماہرین کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں شادی کرنے کے لیے باقاعدہ رشتہ نہیں بھیجا جاتا تھا بلکہ لڑکا یا تو اپنی پسند سے لڑکی کو بھگا کر لے جاتا تھا یا پھر اس کے ساتھ زیادتی کر ڈالتا تھا تاکہ لڑکی والے مجبور ہوجائیں اور بعد میں اسی سے شادی کردیں۔لڑکی کے والدین اپنی لڑکی کو بھگا لے جانے کے جرم کو کسی صورت معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔اس دور میں انتقام اور دشمنی سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا کہ ایک بڑی نقد رقم (اس بدلے میں) ادا کردی جاتی تھی۔شاید یہی وہ بدلہ تھا جو بعد میں شادی کے موقع پر دیئے جانے والے تحفوں کی صورت اختیار کرگیا۔اس طرح ان تحفوں کی وجہ سے بدلہ کی آگ ٹھنڈی پڑنے لگی۔مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ رواج بھی تبدیل ہوتے چلے گئے۔پہلے تو شادی کے موقع پر لڑکی کے والدین کو مادی فوائد ملتے تھے مگر بعد میں یہ عمل الٹا ہوگیا اور اب لڑکی کے والدین کو کوئی فائدہ ملنے کے بجائے الٹا انہیں دینا پڑگیا جو جہیز کہلایا۔قدیم دور میں یونان کے لوگ لڑکی (دلہن) کو بہت تحائف دیتے تھے۔پھر وہ وقت بھی آیا جب اس خطے میں اپنی پسند کے داماد حاصل کرنے کے لیے انہیں باقاعدہ خریدا جانے لگا۔اس کے باوجود جہیز کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔اس زمانے میں دولت مند اور معزز لوگ اپنی بیٹیوں کو بڑے فخر کے ساتھ جہیز دیتے تھے اور دولت مند اپنی جائیداد کے دسویں حصے سے کم اپنی بیٹی کو دینے میں اپنی توہین سمجھتے تھے اس کے باوجود جہیز کو قانونی حیثیت حاصل نہیں تھی۔یہ صرف ایک معاشرتی رسم تھی۔

جہیز کو نئے جوڑے کے لیے ایک مالی مدد سمجھا جاتا تھا کہ اس جوڑے پر زیادہ مالی بوجھ نہ پڑے۔دوسرے یہ کہ جہیز طلاق کے خلاف بھی ایک ڈھال تھا کیونکہ دولہا کسی بھی صورت میں جہیز کی ملکیت حاصل نہیں کرسکتا تھا۔جہیز دلہن کی ملکیت ہی رہتا تھا مگر دولہا اس سے فائدہ ضرور حاصل کرتا تھا۔کچھ حالات جیسے لڑکی کی موت یا طلاق کی صورت میں دولہا کو تمام جہیز لڑکی والوں کو واپس کرنا ہوتا تھا اور بعض حالات میں تو دولہا کو اس جہیز کی ضمانت کے طور پر اپنی جائیداد تک گروی رکھنی ہوتی تھی۔

روم میں لڑکے کو منگنی کے موقع پر لڑکی کو تحفے دیئے ہوتے تھے۔ یہ شادی کی یادگار بھی کہلاتے تھے لڑکی قانونی طور پر اپنے باپ سے جہیز دینے کا مطالبہ کر سکتی تھی۔ یہاں بھی جہیز کو نئے خاندان کے اخراجات میں سہولت سمجھا جاتا تھا۔ سوئٹی کے دور میں والدین کو اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر اس کا جہیز کا مطالبہ پورا کرنا ہوتا تھا۔ ایک قدیم بادشاہ کے دور میں دلہا کے لیے لازم تھا کہ طلاق کے وقت جہیز کی رقم یا سارا سامان دلہن کو واپس دے لیکن اس معاملے میں اگر لڑکی قصوروار ہے تو وہ جہیز واپس نہیں لے سکتی تھی۔

ٹیوٹونک لوگوں میں بھی اسی طرح کے رسم و رواج تھے۔ چھٹی تا نوید صدی عیسوی تک تحفے لڑکی کو دیئے جاتے تھے اور رسم کے طور پر کچھ زیورات لڑکی کے والدین کو دیئے جاتے تھے۔ انگریز و عیسائی پادریوں نے بھی اس رواج کو تسلیم کر لیا تھا۔ جہیز کو لڑکی کے فائدے کے لیے بہتر سمجھا جاتا تھا اور شوہر کی میت کی صورت میں یہ اس کا سہارا ہوتا تھا۔ دلہا کسی بھی صورت میں لڑکی کو جہیز سے فیض یاب ہونے سے نہیں روک سکتا تھا۔ جہیز واپس لینے کا حق بیوہ کو یورپ کے چند ممالک کو چھوڑ کر ہر جگہ تسلیم کیا گیا ہے۔ روس میں لڑکی کے باپ کو لڑکی کی قیمت کے عوض جو بھی ملتا تھا، وہ اس میں سے زیادہ تر حصہ جہیز کی شکل میں لڑکی کو دے دیتا تھا۔ ریبون کے قانون میں لڑکی کا باپ دلہن کے پہلے سال کی پوری قیمت، دوسرے سال کی 2/3 قیمت اور تیسرے سال کی آدھی قیمت خود رکھ لیتا اور باقی بھی لڑکی کو دے دیتا۔ بے بی لون یا بابل میں دلہا کو زیادہ حقوق حاصل تھے۔ وہ جہیز کی رقم سے بھی فیض یاب ہو سکتا تھا اور اس کے لائے ہوئے سامان سے بھی لیکن اس کے باوجود جہیز کی ملکیت کے حقوق لڑکی کو ہی حاصل تھے۔

مسلمین میں لڑکی کا باپ مہر کی رقم بھی دیتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ رقم اور سامان و اسباب بھی دیا کرتا تھا جو گھر کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ مصر کا طریقہ تھوڑا سا مختلف تھا۔ اس ملک میں لڑکی کا باپ لڑکے کو لڑکی کی قیمت کی صورت میں جتنی رقم دیتا تھا، اس سے زیادہ رقم اپنی بیٹی کو دیتا تھا۔ آج بھی یہ رواج یعنی دلہا کے دلہن کی قیمت دینے کا رواج یہودیوں میں قائم ہے مگر انڈیا اور پاکستان میں یہ صورت حال کچھ اور ہے۔ ان ملکوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ ہندوستان میں لڑکی کی جو قیمت پہلے اس کے والدین کو ملتی تھی، یہ رقم اب لڑکی کو براہ راست دے دی جاتی ہے مگر تحائف کی صورت میں! یہ اس لڑکی کی شادی کے تحفے کہلاتے ہیں جن کی وہ خود مالک ہوتی ہے۔

پگڑی اور جہیز کے حوالے سے جب ہم بات کر رہے ہیں تو یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ زمانہ قدیم میں ایک باپ کو اپنے بیٹے کے لیے بیوی اور اپنے لیے بہو خریدنی پڑتی تھی مگر جن معاشروں میں ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج نہیں اور ایک شخص کے لیے ایک ہی شادی یا ایک ہی بیوی کافی سمجھی جاتی ہے، ان معاشروں میں یہ طریقہ بالکل الٹ تھا۔ اب لڑکے کے لیے بیوی خریدنے کے بجائے لڑکی کے لیے شوہر یا اپنے لیے داماد خریدے جانے لگے۔ ہندوستان کے کچھ معاشروں میں داماد خریدنا ایک عام سی بات ہے۔ اس سے پہلے بھی کچھ فرقوں میں دولہا خریدے جاتے تھے۔ یہ رواج ان معاشروں میں عام ہے جہاں شادی ایک ہی ذات یا ایک ہی برادری میں کی جاتی ہے۔ ان حالات میں قیمت کافی زیادہ اور معیار بلند ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر گھر میں بیوی یا بہو نہ ہو تو وہ گھر بے رونق سا لگتا ہے اسی لیے ماضی، ماضی بعید، ماضی قریب اور زمانہ حال میں بھی بیوی اور بہو ناگزیر ہے جس کے لیے چاہے لڑکے والوں کو دولت خرچ کرنی پڑے یا لڑکی والوں کو یہ رشتہ ضرور ہوتا ہے اور اس سے آگے جا کر زندگی میں بہار بھی آتی ہے مگر اصل مزہ اسی وقت آتا ہے جب دونوں میاں بیوی کے درمیان بھی محبت ہو اور دونوں خاندانوں کے درمیان بھی۔ اس کے بعد نہ کسی پگڑی کی حیثیت ہوتی ہے اور نہ جہیز کی۔

(حصہ گجراتی میں طبع ہوا۔ ماہنامہ میمن سماج کراچی 1980ء)

اے راہ حق کے شہیدو!

کلام: مشیر کاظمی

اے راہ حق کے شہیدو، وفا کی تصویرو!
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں
اے راہ حق کے شہیدو!

لگانے آگ جو آئے تھے، آشیانے کو
وہ شعلے اپنے لہو سے بجھالیے تم نے
بچالیا ہے یتیمی سے کتنے، پھولوں کو
سہاگ کتنی بہاروں کے رکھ لیے تم نے
تمہیں چمن کی فضائیں سلام کہتی ہیں
اے راہ حق کے شہیدو!

چلے جو ہوگے شہادت کا جام پی کر تم
رسول پاک ﷺ نے باہوں میں لے لیا ہوگا
علیؓ تمہاری شجاعت پہ جھومتے ہوں گے
حسینؓ پاک نے ارشاد یہ کیا ہوگا
تمہیں اللہ کی رضائیں، سلام کہتی ہیں
اے راہ حق کے شہیدو!

جناب فاطمہؓ جگر رسول کے آگے
شہید ہوکے کیا ماں کو سرخرو تم نے
جناب حضرت زینبؓ گواہی دیتی ہیں
شہیدو رکھی ہے بہنوں کی آبرو تم نے
وطن کی بیٹیاں، مائیں، سلام کہتی ہیں

اے راہ حق کے شہیدو، وفا کی تصویرو
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں
اے راہ حق کے شہیدو! اے راہ حق کے شہیدو!

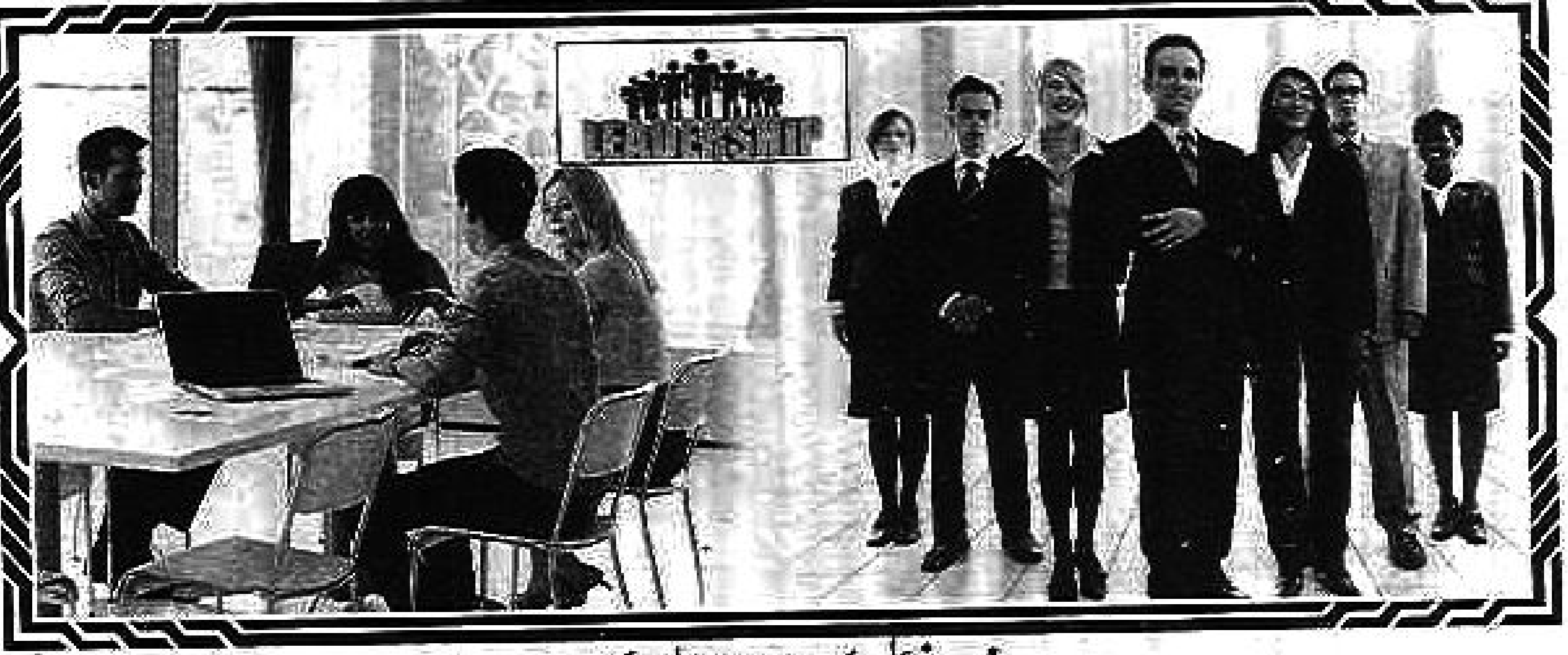

فروغ علم کے سفر میں معلم کا کردار
کچھ مشورے جن پر عمل ضرور کریں

اچھا استاد۔ عمدہ ٹرینر

تحریر : جناب مصطفیٰ حنیف بالاگام والا، ایم بی اے، ایم فل فنانس، ایم اے اکنامکس

Mr. Mustafa Hanif Balagamwala

علم کی ترویج ایک مقدس پیشہ ہے۔ استاد کی عزت اور عظمت کا اظہار لفظوں میں ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود کہ علم دینے والا معاشرے کا ایک اہم رکن ہوتا ہے، ہمارے ہاں بہت کم لوگ استاد بننے کو ترجیح دیتے ہیں اور جو استاد بننا چاہتے ہیں وہ اس کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ایک اچھا استاد کیسے بنا جائے؟

اچھے استاد سے مراد ایک ایسا استاد ہے، جس کی اپنے شاگردوں کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی، عزت، محبت اور دوستانہ رویہ ہو۔ ایک استاد کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار طلبہ کو پڑھانا کس قدر خوف زدہ کرنے والا عمل ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ یعنی طالب علم بھی ڈرے ڈرے سے ہوتے ہیں کہ پتا نہیں نیا استاد کیسا ہوگا؟ دوسری طرف استاد کے دل میں یہ خوف ہوتا ہے کہ کلاس میں تمام طالب علم مجھے ہی دیکھ رہے ہوں گے تو کیا ایسے میں کچھ کہہ پاؤں گا؟ کیا میں انہیں پیار و محبت سے سب کچھ سکھا سکوں گا؟ کہیں گھبراہٹ میں کچھ ایسا نہ ہو جائے کہ طلبہ میرا مذاق بنائیں..... وغیرہ وغیرہ۔

اکثر استاد یہ چاہتے ہیں کہ وہ کلاس روم میں ایک اچھے، قابل اور تجربہ کار استاد کی طرح نظر آ [illegible]

کی آنکھ سے خود کو کلاس روم میں دیکھیں اور نوٹ کریں کہ وہ کیا محسوس کرتے ہیں؟ اس وژن سے انھیں استاد بننے میں بہت مدد ملے گی۔ ساتھ ہی اپنے وژن میں لچک رکھیں اور طلبہ کو بھی اس میں شریک کریں تاکہ خود کو ریلیکس محسوس کریں۔ اچھا استاد بننے کے لیے یاد رکھیں کہ اگر آپ طلبہ سے بہت ساری توقعات رکھتے ہیں تو وہ بھی آپ سے کچھ توقعات رکھتے ہیں۔ اس زیر نظر مضمون میں اچھا استاد بننے کی خواہش رکھنے والوں کی راہ نمائی کی جارہی ہے کہ وہ اپنا ہدف پانے کے لیے کیا کر سکتے ہیں یا کیا کرنا چاہیے؟

یہ درست ہے کہ ایک استاد کے لیے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، پوری کلاس کو کنٹرول کرنا بہرحال مشکل کام ہے اور جب کلاس قابو میں نہیں آتی تو اکثر اساتذہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید بچے مجھے پسند نہیں کرتے، حالاں کہ میں اچھا پڑھاتا ہوں اور بچے غور سے سنتے بھی ہیں، لیکن کلاس میں ڈسپلن نہیں رکھتے۔ ان میں یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ اگر میں بچوں کے ساتھ بہت زیادہ دوستانہ رویہ رکھوں گا تو کہیں انتظامیہ مجھ پر برہم نہ ہو جائے۔ ایک استاد کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کیوں کہ بچے آپ ہی کو اہم سمجھتے ہیں۔ آپ بچوں کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھیں گے تب ہی ان کی ضروریات اور دل چسپیوں کے حساب سے ان کے ساتھ مثبت فضا اور خوش گوار ماحول بنانے میں بھی کامیاب ہوں گے۔ ان کی ضرورتوں کا خیال رکھیں اور فیصلہ کرنے میں ان کی مدد کریں۔ مثال کے طور پر ان کو کلاس میں کوئی ٹاسک منتخب کرنے کا موقع دیں اور اس کے لیے طلبہ سے پوچھیں کہ وہ اس ٹاسک کو کس ساتھی طالب علم کے ساتھ مل کر مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ بچوں کو انتخاب کا یہ موقع ان میں اعتماد پیدا کرے گا اور طالب علم ایک دوسرے سے تعاون کرنا سیکھیں گے۔ ساتھ ہی ان کا رویہ اپنے استاد سے بھی دوستانہ اور محبت کرنے والا ہوگا۔

اکثر استاد اس وقت عدم تحفظ کا شکار ہو جاتے ہیں جب کوئی دوسرا استاد ان کی کلاس میں آجاتا ہے یا پھر کلاس کے پاس سے پرنسپل کا گزر ہو جاتا ہے، خاص طور پر ایسی صورت میں جب بچے کلاس میں شور مچا رہے ہوں یا استاد بچوں کو کسی بات پر زور زور سے ڈانٹ رہا ہو۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کسی دوسرے استاد یا پرنسپل پر اس کا اچھا تاثر نہیں پڑ سکتا۔ تاہم، یہ کوئی پریشان ہونے والی بات نہیں ہے کیوں کہ ہر کلاس میں بچے تو شور مچاتے ہی ہیں لیکن آپ بڑے سکون سے اور نارمل انداز میں کلاس لیتے رہیں۔ البتہ ایک کام یہ کریں کہ جو بچے کلاس میں غلط رویہ رکھتے ہیں انہیں دیگر بچوں سے الگ رکھیں اور ان پر زیادہ توجہ دیں۔ اگر وہ ہوم ورک کر کے نہ لائیں تب بھی ان کے ساتھ مشفقانہ رویہ رکھیں اور ہوم ورک کلاس میں مکمل کروائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایسے بچے محض آپ کے اچھے رویے کے باعث راہِ راست پر آجائیں گے۔ ان بچوں پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں اور ہمیشہ انہیں صرف نصیحت نہ کریں، اس سے وہ چڑ جاتے ہیں۔ کلاس روم کا ماحول ایسا ہو کہ تمام بچے اس میں سکون اور خوشی محسوس کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ایک دوسرے کی عزت کریں۔

کسی بھی نئے استاد کے لیے کلاس روم کی پلاننگ اور اس کا انتظام ہمیشہ مسئلہ رہتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کے معاملات سے اس کا پہلے واسطہ جو نہیں پڑا ہوتا۔ مثلاً حاضری کا حساب کتاب، ہوم ورک لکھنا، سبق پڑھانا، لنچ کا وقت، بچوں کا گھروں میں یا باہر سیر و تفریح کے لیے جانا، وغیرہ۔ ان کا تعین کرتے وقت طلبہ کو اعتماد میں لیں۔ اس طرح آپ کو پالیسی مرتب کرنے میں آسانی رہے گی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کی کسی بات یا رویے سے معاملہ بگڑ جاتا ہے یا کوئی طالب علم جھگڑے سے اکھڑ سکتا ہے۔ ایسے موقعوں پر عموماً سختی کے بجائے نرمی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ غصہ سے ہرگز کام نہ لیں، اس سے بات اور خراب ہو سکتی ہے۔ بہت سمجھداری سے سارے معاملے کو نمٹائیں۔ اس کے لیے پہلے طالب علم کی بات غور اور سکون سے سنیں پھر جو درست ہو وہی فیصلہ کریں۔ آپ نے استاد بننے کی ٹریننگ کے دوران جو کچھ سیکھا ہے ضروری

نہیں، کہ اس کے ایک ایک لفظ پر عمل کیا جائے۔ بلکہ موقع محل کی مناسبت سے کبھی سختی کریں، کبھی نرمی سے کام لیں اور کبھی نظرانداز بھی کر دیں۔ تاہم، جو بھی کرنا ہے، اچھے طریقے سے، اچھے انداز میں، آہستہ آہستہ کریں۔ آپ کے رویے میں الجھاؤ ہوگا تو بچے شروع میں ہی پیچھے ہٹ جائیں گے۔

روٹین بنائیں جو بچوں کو پسند آئے۔ کبھی کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار بچوں کو بھی دے دیں۔ تاہم گرفت اپنی ہی رکھیں، کیوں کہ بچوں میں اتنا اعتماد بہرحال نہیں ہوتا کہ وہ انفرادی طور پر کوئی فیصلہ کر سکیں۔ ایک بار یہ عمل کامیاب ہو جائے تو اس میں وسعت دیتے چلے جائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کلاس روم کا ماحول کتنا خوش گوار، دوستانہ اور پرسکون ہو گیا ہے۔

ایک استاد کی حیثیت سے آپ کی یہ خواہش بھی ضرور ہوگی کہ آپ بچوں کو جو کچھ بھی پڑھا اور سکھا رہے ہیں اور جس اعتماد کے ساتھ وہ آگے بڑھ رہے ہیں، تو ان میں سے ہر ایک کامیاب بھی ہو۔ اس کے لیے آپ انہیں کبھی گروپ میں تقسیم کریں اور کبھی انفرادی طور پر ذمہ داری دے کر ان کی اہلیت کو آزمائیں۔ ایسی حکمت عملی اپنائیں جس کے ذریعے آپ بچوں کے ذہنوں کو پڑھ سکیں۔ اس دوران آپ کو مشکلات بھی پیش آئیں گی مگر آپ کو گھبرانا نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ آپ اپنے طلبہ سے جس قدر قریب ہوں گے، اسی قدر ان کے ذہن کو پڑھ سکیں گے اور ان کی نفسیات کو سمجھ سکیں گے۔ ایک اچھے استاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بچوں کو اپنے طور پر سیکھنے کا موقع دے۔ کبھی کلاس روم میں سوال و جواب کا سیشن رکھیں۔ ان سے خود بھی سوالات کریں اور بچوں کو بھی ایک دوسرے سے سوالات کرنے کا موقع دیں۔ اس طرح نہ صرف ان کی ذہنی تربیت ہوگی بلکہ کلاس روم کا ماحول بھی دوستانہ ہوگا۔ بچوں کو اپنے طور پر کچھ کرنے کا موقع دینے سے ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے اور ان کے اندر خود اعتمادی آجاتی ہے جو ساری زندگی ان کے کام آتی ہے۔ اگر طلبہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں، کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں تو انہیں سراہنا چاہیے۔ ان میں جو مثبت خوبیاں ہیں، ان کی تعریف کریں اور منفی باتوں کو نظرانداز کر دیں۔ تعریف کرنے سے ان کی خوبیاں مزید اجاگر ہوں گی جب کہ نظرانداز کر دینے سے منفی باتیں چھپتی جائیں گی۔ اگر آپ بچوں سے کوئی کہانی یا مضمون املا کے طور پر لکھواتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ بچوں نے اس میں ہجے کی غلطیاں کی ہوں گی یا حروف کی ترتیب کا خیال نہیں رکھا ہوگا۔ بچے اس طرح کی غلطیاں اکثر کرتے ہیں۔ بچوں کو ان کی غلطیوں پر سزا دینے کے بجائے اس طرح سے نشان دہی کر کے درست کریں کہ ان کی سمجھ میں آجائے۔

اچھے استاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بار بار پرنسپل سے طلبہ کے بارے میں شکایت نہ کرے بلکہ خود ہی انہیں سمجھنے اور کنٹرول کرنے کی کوشش کرے۔ نئے استاد پر ہمیشہ یہ دباؤ ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک دم سے ہو جائے۔ مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے سب کچھ تجربات کے سہارے ہی ہوتا ہے اور ہوتے ہوتے ہی معاملات درست ہوتے ہیں۔ آپ بچوں کو اعتماد میں لینے کے لیے پہلے ایک گروپ بنائیں، اسے اعتماد میں لینے کے بعد دوسرا گروپ بنائیں۔ اس طرح اپنے اور طلبہ کے درمیان رشتہ مضبوط کر لیں۔ یہ رشتہ مضبوط ہو گیا تو سمجھ لیں کہ آپ نے آدھی جنگ جیت لی ہے۔

نئے استاد پر یہ دباؤ بھی رہتا ہے کہ وہ دوسرے اساتذہ کو دیکھے وہ کیسے کلاس کو قابو میں رکھتے ہیں یا کیسے کوئی مضمون آسانی سے پڑھا لیتے ہیں۔ آپ دباؤ میں آنے کی بجائے یہ سمجھیں کہ ان کو پڑھاتے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے اور ان کے پاس کافی تجربہ بھی ہے۔ چند سال بعد آپ بھی ایسے ہی تجربہ کار ہو جائیں گے۔ ابتدا میں آپ اس دباؤ سے نکلنے کے لیے یہ کریں کہ اگلے دن جو پڑھانا ہے اس کی تیاری آج گھر پر اچھی

طرح کرلیں۔ اس طرح دوسرے روز آپ کلاس کا سامنا پورے اعتماد سے کرسکیں گے۔ خود کو ایک اہل استاد ثابت کرنے کے لیے رفتہ رفتہ آگے بڑھیں۔ ایک دم سے بھاگنے کی کوشش نہ کریں اور نہ ہی کسی دوسرے استاد کی نقل کریں۔ اس طرح آپ اپنا اسٹائل تخلیق نہیں کرپائیں گے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے اثرات آپ کے پورے کیریئر پر پڑسکتے ہیں۔ نئی حکمت عملی اپنائیں، اپنا الگ انداز تخلیق کریں۔ اس طرح آپ کلاس کے بچوں کو اپنی جانب متوجہ کرسکیں گے۔ پھر جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا آپ میں اعتماد پیدا ہوجائے گا اور آپ اپنی کارکردگی سے مطمئن ہوجائیں گے۔

درس وتدریس ایک تدریجی عمل ہے جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پختگی آتی چلی جاتی ہے۔ تاہم، خود کو کسی بھی مرحلے پر "پرفیکٹ" نہ سمجھیں۔ روزانہ کی بنیاد پر اپنی کارکردگی ریکارڈ کریں اور اس میں بہتری لانے کی کوشش کریں۔ اپنی کامیابی کو اپنے طلبہ کی کامیابی کے پیمانے سے نہ ناپیں بلکہ اپنے طلبہ کی کامیابی کو اپنی کامیابی تصور کریں۔ ٹین ایج طلبہ کے رویوں میں تبدیلی آتی ہے، اس پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ استاد انہیں سمجھیں اور ان میں ذہنی اور جسمانی طور پر ہونے والی تبدیلی کا ادراک کریں۔ ٹین ایجر خود کو گھر والوں سے الگ تھلگ کرنے لگتے ہیں اور اپنے طور پر کچھ معاملات وضع کرلیتے ہیں۔ چوں کہ ان میں جسمانی تبدیلی آرہی ہوتی ہے تو انہیں لگتا ہے کہ شاید انہیں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہارمونز کی یہ تبدیلی ان کے موڈ پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس میں پل پل تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ایک استاد کو اس کا ادراک ہوجائے تو بہت آسانی کے ساتھ بچوں سے دوستی ہوجائے گی اور ایک اچھے استاد کے لیے بہت ضروری ہے کہ اس کی بچوں سے دوستی ہو۔

استدعا برائے اشتہارات

ماہنامہ میمن سماج کراچی بانٹوا میمن جماعت کا واحد ترجمان ہے

جس میں پوری بانٹوا میمن اور میمن برادری کی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علمی، تاریخ وثقافت، تحقیقی مضامین، انٹرویو، سوانح حیات، ادبی معلومات وتفریحی مواد پیش کیا جارہا ہے تاکہ ہر ذوق طبع کے لئے یہ دلچسپ جریدہ ثابت ہو اس لئے برادری اور دیگر تاجر وکاروباری حضرات سے استدعا ہے کہ

ماہنامہ میمن سماج میں اشتہارات دے کر اسے مالی استحکام بخشیں اور اپنا بھرپور تعاون فرمائیں

اشتہارات کی بکنگ اور نرخ کے سلسلے میں بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی سے رجوع کریں۔ شکریہ

آپ کے عملی تعاون کا پیشگی بے حد شکریہ

فون : 32728397 - 32768214

پتا : ملحقہ بانٹوا میمن جماعت خانہ، حور بائی حاجیانی اسکول، یعقوب خان روڈ نزد راجہ مینشن کراچی

تاریخ کے جھروکے سے

عظمت رفتہ

موجودہ نئی نسل کی آگہی اور معلومات کے لئے ایک یادگار اور اہم تحریر کا ترجمہ

میمن برادری
ثقافت اور قدیم رسوم و رواج کے آئینہ میں

گجراتی زبان کے ممتاز قلمکار، شاعر اور کالم نویس جناب **منشی دھوراجوی** کے قلم سے

گجراتی سے ترجمہ : کھتری عصمت علی پٹیل

Mr. Munshi Dhorjvi

میمن برادری سادہ مزاج اور امن پسند لوگوں کی ایسی برادری ہے جس کی ثقافت، تہذیب اور اس کی رسوم و رواج جداگانہ نوعیت کی حامل ہیں۔ یہ سیدھے سادے لوگ ہیں، محنتی جفاکش اور دیانت دار ہیں اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں اپنے فرائض بڑی عمدگی اور خوبی سے انجام دیتے ہیں۔ اگر ہم اس برادری کی قدیم ثقافت، رہن سہن اور رسوم و رواج پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ زندگی گزارنے کے یہ سنہرے اصول واقعتاً اسلام کی دین ہیں اور میمن برادری نے ان اصولوں کو بڑی سختی کے ساتھ اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ ذیل میں ہم میمن برادری کی قدیم تہذیب و ثقافت اور طرز زندگی کا مختصر احوال بیان کر رہے ہیں جو ہمارے قارئین کے لیے یقینی طور پر دلچسپی کا باعث ہوگا۔

منفرد شخصیت، منفرد مقام : میمن برادری کو اگر ہم ایک صدی بلکہ ڈیڑھ صدی پہلے کے آئینے میں دیکھتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان معصوم اور بے لوث افراد کی شخصیات بالکل منفرد ہوا کرتی تھیں۔ یہ بااخلاق اور اصول پسند لوگ تھے۔ کاروبار، بزنس، سوداگری، حساب کتاب اور لین دین کے معاملات میں اس قدر دیانت دار تھے کہ انہیں ہر شعبے اور ہر مقام میں ایک جداگانہ مقام حاصل ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ لوگ تعلیم کے میدان میں نسبتاً پیچھے تھے مگر عقل و شعور اور اپنی روایتی دانش مندی کی وجہ سے اس دور کے حکمرانوں کے دربار میں اہمیت رکھتے تھے اور اکثر و بیشتر انہوں نے انگریزوں کو بھی مختلف میدانوں میں پیچھے کر کے خود ان پر برتری حاصل کر لی تھی۔

حلیہ، لباس، رکھ رکھاؤ : سوا یا ڈیڑھ صدی پہلے کے میمن بڑے سادہ مزاج تھے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق یہ لوگ لمبے بالوں کے بجائے چھوٹے چھوٹے بال رکھتے تھے۔ اس دور میں بڑے بالوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ پھر عزت و وقار کا بھی خیال رکھا جاتا تھا جس

کے لیے سر پر پگڑی ضرور باندھی جاتی تھی۔ جسم کے اوپر حصے پر آدھی آستین کی قمیض پہنتے تھے اور نچلے حصے پر پاجامہ پہنتے تھے۔ اس قمیض کے نیچے بنیان کی جگہ بغیر آستین والی واسکٹ نما صدری سی پہنتے تھے جس میں جیبیں بھی ہوتی تھیں۔ اس کو میمنی زبان میں "بنڈی" کہتے تھے۔ اس کے علاوہ قمیض کے اوپر کمر کے نزدیک "بھیٹ" ضرور باندھتے تھے۔ یہ ایک طرح کا آرائشی کپڑا ہوتا تھا جو بڑی عمر کے افراد کی شان سمجھا جاتا تھا۔ پیروں میں دیسی چمڑے سے تیار کردہ "موجڑی" نما پھول دار جوتے پہنتے تھے۔ اس جوتے کے چمڑے کو نرم و ملائم رکھنے کے لیے اس پر تیل لگایا کرتے تھے۔ نوجوان میمن اس دور کے فیشن کے مطابق کروم چمڑے کے ایسے جوتے شوق سے پہنتے تھے جن میں سے چلتے وقت آواز نکلتی تھی۔

حاجیوں کا لباس : اس دور کے میمن حضرات جب حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس پہنچتے تو ان کا حلیہ بھی بدل جاتا تھا اور لباس بھی۔ اس لباس سے واضح ہو جاتا تھا کہ وہ حج کر کے آئے ہیں۔ ایسے حضرات آدھی آستین کی قمیض کے اوپر بغیر آستین کا ایک لمبا سا عربی گاؤن (چغہ) پہنتے تھے جو آگے سے کھلا ہوتا تھا۔ بعض بزرگ میمن اس عربی لباس کے اوپر ہلکے کپڑے کا لمبا سا سایہ (گاؤن) بھی پہنتے تھے جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوتی تھی۔ اس کے دائیں طرف کے حصے میں ایک جیب بھی ہوتی تھی جس میں چاندی کے کور میں ایک گول گھڑی بھی رکھی ہوتی تھی۔ اس کے ہندسے رومن میں لکھے ہوتے تھے۔ گھڑی کے ساتھ ایک چھوٹی سی سنہری زنجیر بھی ہوتی تھی جس کا دوسرا سرا اس بٹن سے جڑا ہوتا تھا جو اس لباس کے کاج میں لگا ہوتا تھا۔ ان بزرگوں کے کندھوں پر کڑھائی والا بڑا سا رومال بڑے سلیقے سے رکھا ہوتا تھا۔ بعض لوگ اس کی جگہ شال استعمال کرتے تھے۔

لباس میں تبدیلی : میمن برادری کے بزرگ اور بڑے بوڑھے اسلامی ملکوں کے رہن سہن اور ان کی ثقافت سے بہت متاثر تھے۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں ان بزرگوں کے لباس میں تبدیلی شروع ہوئی۔ ہوا یوں کہ 1908ء میں ترکی اور بلقان کی ریاستوں کے درمیان جنگ چھڑی تو برصغیر کے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی ترک مسلمانوں کے ساتھ تھی اسی لیے انہوں نے ترکی کی فوج کے لباس کو اپنانا شروع کر دیا۔ اس میں سر پر لال رنگ کی ترکی ٹوپی پہنی جاتی تھی جس کے اوپر سیاہ دھاگوں کا ایک گچھا بھی ہوتا تھا۔ باقی لباس میں شیروانی، ہاف کوٹ، پتلون، پاجامہ اور بوٹ بھی عام ہو گئے۔ اس طرح میمن بزرگوں کے لباس میں ایک واضح تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔

برما اور دیگر ملکوں کے میمن : برما اور اس کے اطراف سے تعلق رکھنے والے میمنوں کے لباس میں ان کے حساب سے تبدیلی آ گئی تھی۔ یہ لوگ لمبے کالر والی قمیض پہنتے تھے۔ ساتھ میں پتلون ہوتی تھی۔ ٹائی ان کے لباس کا لازمی حصہ تھی۔ اس کے باوجود میمنوں کی اکثریت اپنے پرانے اور روایتی لباس پر ہی قائم رہی۔ یہ لوگ صدری پہنتے تھے، سایہ (گاؤن) پہنتے تھے، ان کے سر پر پگڑی یا ٹوپی ہوتی تھی اور کندھوں پر کڑھائی والا بڑا رومال ہوتا تھا۔ اس دور میں جو میمن اور خاص طور سے نوجوان میمن بیرون ملک گئے، جب واپس آئے تو ان کے جسم پر انگریزی لباس تھا جس میں ٹائی لازمی شامل ہوتی تھی۔

خواتین کا لباس و ملبوسات : میمن برادری کی خواتین (بڑی عمر کی عورتیں، جوان لڑکیاں اور بچیاں) جداگانہ لباس استعمال کرتی تھیں۔ بڑی عمر کی خواتین بڑے گھیرے دار فراک نما چولے پہنتی تھیں۔ اس چولے کے نیچے چھوٹی آستینوں والی قمیض پہنا کرتی تھیں اور کچھی طرز کے پاجامے یا شلواریں پہنتی تھیں جن کے پائنچوں پر کڑھائی ہوتی تھی۔ اسے ازار (پاجامہ) کہتے تھے۔ خواتین پیروں میں عام طور سے سلیپر پہنتی تھیں جنھیں سپاٹ کہتے تھے۔ بڑی عمر کی خواتین سر پر کون کپڑے کا ریشمی "مصر" (اسکارف) ضرور باندھتی تھیں۔ یہ اس لیے تھا تا کہ اگر سر سے

دوپٹہ سرک جائے تو سر کے بال نظر نہ آئیں۔ خواتین بڑے اہتمام کے ساتھ گھر سے باہر جایا کرتی تھیں۔ اگر قریب جانا ہوتا تو پیدل سفر کرتی تھیں اور اگر کہیں دور جانا ہوتا تو ایک بند گھوڑا گاڑی میں سفر کرتیں۔ اگر تانگے میں جاتیں تو اس میں بیٹھنے سے پہلے اس کے چاروں طرف پردہ لگایا جاتا تھا۔

جوان بچیوں کا لباس : میمن نوجوان لڑکیاں اور بچیاں یا تو ریشمی ملبوسات پہنتی تھیں یا ململ کے۔ قمیض کے گلوں پر زری کے تاروں سے کشیدہ کاری کی جاتی تھی۔ قمیض کے اگلے حصے میں چار یا چھ کاج بنائے جاتے تھے جن میں سونے کی چین کے ساتھ سونے چاندی کے بٹن لگائے جاتے تھے۔ قمیض کے نیچے چھوٹی یا قمیض یا شمیض استعمال ہوتی تھی۔ یہ بچیاں اطلس (ریشمی) یا پھر ساٹن کے کپڑے کا ازار (پاجامہ، ٹراوزر) استعمال کرتی تھیں جن کے پائنچوں پر گھٹنوں تک زیک زری کی کڑھائی کا کام ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ جو اوڑھنی (دوپٹہ یا چادر) استعمال کی جاتی تھیں، اس پر بھی سچے تاروں کی کڑھائی ہوتی تھی۔ اگر کسی لڑکی یا بچی کے خاندان کی مالی حالت کا اندازہ لگانا ہوتا تھا تو اس کے لباس پر زری کے تاروں کی کڑھائی کو دیکھا جاتا تھا اور یہ دیکھا جاتا کہ اس نے سونے کا زیور کیسا پہن رکھا ہے۔

میمن خواتین مشقت کی عادی تھیں : دورِ قدیم میں میمن خواتین کو نہ آج والی آزادی میسر تھی اور نہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتی تھیں بلکہ انہیں بہت زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑتی تھی۔ وہ اس قدر مصروف زندگی گزارتی تھیں کہ آرام کرنے کا ان کے ہاں تصور تک نہیں تھا۔ میمن خواتین کس قدر سخت زندگی گزارتی تھیں، اس کا احوال ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

سبھی میمن گھرانوں میں آٹا وغیرہ پیسنے کے لیے پتھر کی چکیاں ضرور ہوتی تھیں۔ بڑی چکی کو میمنی زبان میں جندر اور چھوٹی چکی کو جندری کہتے تھے۔ ہر شادی شدہ میمن خاتون نماز فجر کی ادائگی کے بعد چکی میں گندم پیس کر آٹا تیار کرتی اور اس تازہ آٹے سے تازہ روٹی تیار کرتی تھی۔ میمن گھرانوں میں باورچی خانے کے ایک کونے میں مٹی کے چولہے ہوتے تھے جن پر سفید مٹی کا لیپ لگایا جاتا تھا۔ ان چولہوں میں یا تو ببول کی لکڑی جلائی جاتی تھی یا اپلے جلائے جاتے تھے۔ انہیں جلانے کے لیے ان پر تھوڑا سا مٹی کا تیل چھڑکا جاتا اور جب وہ تھوڑے جلنے لگتے تو ایک پھکنی سے ان پر پھونک ماری جاتی تو آگ تیز ہو جاتی تھی۔

سال بھر کا اناج اور دیگر سامان : تمام میمن گھرانوں میں سال بھر کا اناج پہلے سے جمع کرلیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سال بھر کا ایندھن (لکڑی اور اپلے) بھی پیشگی جمع کرلیا جاتا تھا۔ اسی طرح لہسن پیاز وغیرہ بھی جمع کر کے رکھا جاتا تھا۔ مرچیں، ہلدی اور دیگر مصالحے ان کے موسم میں جمع کرلیے جاتے تھے اور انہیں الگ چھوٹی چکی میں پیس کر الگ الگ برتنوں یا مرتبانوں (برنیوں) میں رکھا جاتا تھا۔ مگر اس سے پہلے مرتبانوں کو تیل کا ہاتھ لگایا جاتا تھا تا کہ مصالحے خراب ہونے سے محفوظ رہیں۔ جب آم کا موسم شروع ہوتا تو کچے آم یا کیریاں جمع کر کے ان کا اچار بھی ڈالا جاتا اور مربے بھی۔ اسی طرح لیموں کا اچار بھی بڑے اہتمام کے ساتھ ڈالا جاتا تھا۔ یہ اچار اور مربے شیشے کے مرتبانوں میں اس طرح محفوظ کرلیے جاتے تھے جو سال بھر چلتے تھے۔ ہر اناج کے موسم یا فصل کے موقع پر گندم، باجرہ اور چاول بڑی تعداد میں (بوریوں کی شکل میں) خرید لیا جاتا تھا۔ پہلے ان سب کی صفائی کی جاتی تھی اور اس کے بعد انہیں مٹی یا ٹین کے بڑے بڑے ڈبوں، برتنوں وغیرہ میں رکھ دیا جاتا تھا جنہیں بھنڈارے کہتے تھے۔ اس کے بعد ان گھرانوں کو روزانہ صرف سبزی، ترکاری، گوشت، انڈے، مچھلی اور دودھ وغیرہ خریدنا پڑتا تھا، باقی سب سامان ان کے گھروں میں ہی ہوتا تھا۔ اس لیے ان کے لیے کھانا پکانا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔

چاول کی جگہ سار: میمن گھرانوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو چاول کی جگہ سار خریدتے تھے۔ سار کو دھان کہتے تھے۔ بعد میں اس سار یا دھان میں سے چھلکا الگ کر کے چاول نکالا جاتا تھا۔ یہ بہت عمدہ چاول ہوتا تھا، مگر اس کے حصول میں خاصی محنت کرنی پڑتی تھی اور اس میں بنیادی کردار خواتین کا ہوتا تھا۔

کھانا اور ناشتہ: میمن گھرانوں میں صبح کے ناشتے، دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے کے اپنے ہی طور طریقے تھے۔ عام لوگ تو کچھ بھی کھا لیتے تھے مگر نسبتاً بہتر حالات کے حامل لوگ صبح کے ناشتے میں چائے کے ساتھ پاپڑ کا کچومر (چورا) اور روٹی شوق سے کھاتے تھے۔ اس کے علاوہ عموماً رات کی بچی ہوئی کھچڑی صبح ناشتے میں شوق سے کھائی جاتی تھی، مگر اس کھچڑی میں تلوں کا تیل شامل کر کے اور اس میں پاپڑ کا کچومر (چورا) ڈال کر ایک مزے دار ڈش تیار کی جاتی تھی جس کا الگ ہی مزہ تھا۔

جانوروں کو پالنے کا رواج: اس دور میں میمن گھرانوں میں اکثر جانور پلے ہوئے ہوتے تھے جیسے بکریاں اور مرغیاں۔ بکریوں سے ان کی دودھ کی ضرورت پوری ہوتی تھی اور مرغیوں سے انڈوں کی۔ حسب ضرورت مرغی یا بکری کو ذبح کر کے گوشت بھی حاصل کر لیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان گھرانوں کو دودھ اور انڈے باہر سے نہیں خریدنے پڑتے تھے اور سب کچھ گھر میں ہی مل جاتا تھا۔

استعمال کے برتن: میمن خواتین اس دور میں واقعی بہت محنت کرتی تھیں۔ گھر کی لگ بھگ بھی ذمے داریاں ان کی تھیں۔ اس دور میں کھانے پینے میں پیتل اور تانبے کے برتن استعمال ہوا کرتے تھے۔ کچھ لوگ کانسی کے برتن بھی استعمال کرتے تھے۔ ان برتنوں کو صاف ستھرا اور چمک دار رکھنا خواتین کی ذمے داری تھی اور یہ برتن ان کی شان کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ گھر کی پانی کی ضروریات بھی خواتین پوری کرتی تھیں جس کے لیے وہ پیتل کے گھڑے استعمال کرتی تھیں۔ یہ گھڑے جوڑی کی شکل میں ہوتے تھے اور ''جیل'' کہلاتے تھے جو نہانے دھونے اور پینے کے لیے پانی بھرنے کے کام آتے تھے۔

پانی کی ضرورت: اس دور میں جگہ جگہ کنویں ہوتے تھے جہاں سے گھریلو ضرورت کا پانی بھرا جاتا تھا۔ مسجدوں کے کنوؤں سے بھی پانی بھرنے کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ ہر بلڈنگ اور عمارت کے آگے ایک چبوترے پر ہینڈ پمپ (برما) ضرور لگا ہوتا تھا۔ ہینڈ پمپ کو میمنی زبان میں ''ڈنکی'' کہا جاتا تھا۔ وہاں سے گھر کی عورتیں اپنی ضرورت کا پانی بھر لیتی تھیں جس کو وہ پینے اور نہانے میں استعمال کرتی تھیں مگر گھر کے کپڑے اسی چبوترے پر ہینڈ پمپ کے آگے دھوئے جاتے تھے۔ بعض گھرانوں میں دھوبی بھی آتے تھے۔ وہ اس گھر کے کپڑے لے جاتے اور دھو دھلا کر کچھ روز بعد واپس دے جاتے تھے جس کی انہیں اجرت دی جاتی تھی۔

پینے کا پانی رکھنے کے لیے خصوصی انتظام کیا جاتا تھا۔ ویسے تو گھروں میں کچن بڑے ہوتے تھے اور ان کے اندر ایک طرف ایک چار پانچ فٹ اونچا چبوترہ بنایا جاتا تھا جس پر بڑے بڑے مٹکوں میں گھریلو ضرورت کا پانی رکھا جاتا تھا۔ اس چبوترے کو میمنی زبان میں ''پانی ہارا'' کہتے تھے۔ اس چبوترے یا اسٹینڈ پر پانی کے مٹکوں کے ساتھ پانی بھرنے کی ڈونگی اور گلاس بھی رکھے ہوتے تھے تاکہ حسب ضرورت پانی لیا جاسکے۔ ان مٹکوں کا رنگ لال ہوتا تھا اور ان پر ڈیزائن بھی بنے ہوتے تھے۔ یہ مٹکے کالے اور سفید رنگ کے بھی ہوتے تھے۔ مٹکوں میں پانی ٹھنڈا رہتا تھا اور اس میں مٹی کی خوشبو آتی تھی۔

خواتین کا روزانہ کا معمول: میمن خواتین صبح سویرے بیدار ہوتیں اور سب سے پہلے اپنے دانت صاف کرتی تھیں جس کے

لیے دوہ یا تو جلے ہوئے کوئلے کا سفوف بطور منجن استعمال کرتی تھیں یا پھر نمک۔ اس کے بعد پہلا کام نماز فجر کی ادائیگی ہوتا تھا جس کے بعد وہ ناشتہ تیار کرتی تھیں۔ گھر کے سبھی چھوٹے بڑوں کو ناشتہ دینے کے بعد ان کے دوسرے کام شروع ہو جاتے تھے۔ جن میں برتن دھونا، گھر کی صفائی کرنا، جھاڑو پونچھا لگانا شامل تھا۔ اس کے بعد اگلے مرحلے میں پینے کا پانی بھرتی تھیں۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد بازار سے سودا سلف منگوایا جاتا تھا۔ یہ کام یا تو گھر کا بڑا کرتا تھا یا پھر کوئی نوجوان لڑکا۔ عام طور سے بازار سے گوشت، مچھلی، سبزی، ترکاری وغیرہ منگوائی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ خواتین دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع کر دیتیں۔

شام ہوئی اور دیا جلا : ادھر شام کے سائے پھیلتے اور اندھیرا پیش قدمی کرتا، ادھر گھروں میں دیئے اور چراغ روشن ہونے شروع ہو جاتے تھے۔ عام طور سے لیمپ، چمنیاں اور چراغ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔ بڑے اور صاحب حیثیت میمن گھرانوں میں بڑے اور قیمتی فانوس روشن کیے جاتے تھے۔ ان کے اندر چھوٹے چھوٹے چراغ رکھے ہوتے تھے جو مٹی کے تیل سے جلتے تھے۔ چھوٹے اور غریب گھرانوں میں چھوٹے دیے، چراغ وغیرہ جلائے جاتے تھے میمنی زبان میں انہیں "چمنی" یا "ٹمکوری" کہتے تھے جو روشنی کا بڑا ذریعہ تھے۔ چمنی سے بڑی سائز والا چراغ "قندیل" کہلاتا تھا۔ گھر کے مرد حضرات دس ماہ کی پردیس کی سفر کے بعد گھر آتے تو قندیل سے بڑا لیمپ جلایا جاتا تھا میمنی زبان میں وہ "لاپ" کہلاتا تھا۔

گھروں میں کسی شادی بیاہ، تہوار یا کسی بھی خوشی کے موقع پر رات میں بڑے بڑے لیمپ (لاپ) اور پیٹرومیکس بتیاں (گیس سے جلنے والے ہنڈے) جلائے جاتے تھے جو اس دور کا رواج بھی تھا اور ضرورت بھی۔ اگر کسی میمن گھرانے میں ان بڑے لیمپس اور پیٹرومیکس کی تیز روشنی ہوتی تو دیکھنے والے سمجھ جاتے تھے کہ اس گھر میں خوشی کی کوئی تقریب ہو رہی ہے۔

کھانے کی خصوصیت : ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ میمن گھرانوں کے کھانے مربے، اچار، چٹنی یا کچومر کے بغیر ادھورے سمجھے جاتے تھے۔ اکثر گھرانوں میں رات کے کھانے میں کھچڑی پکائی جاتی تھی جس کے ساتھ دہی، چھاچ اور اچار وغیرہ بھی ہوتے تھے اور پاپڑ بھی۔ لیکن اگر کسی روز دسترخوان پر کوئی مہمان بھی موجود ہوتو سوجی کا حلوہ بھی لازمی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ لپی سویاں بھی تیار کی جاتی تھیں اور کھچڑی کے ساتھ ایک تپیلی دودھ کی بھر کر مہمان کے سامنے ضرور رکھی جاتی تھی۔ رات کے کھانے میں جوار کے بھات اور چھاچ کو رغبت سے کھایا جاتا تھا۔ ناشتے اور دوپہر و رات کے کھانے میں مربے، اچار، چٹنی، کچومر ضرور شامل ہوتے تھے۔

پھلوں کا استعمال : میمن خاندانوں میں پھل زیادہ شوق اور رغبت سے نہیں کھائے جاتے تھے، مگر دولت مند گھرانے سیب، انار، انگور، سنگترہ استعمال کرتے تھے البتہ غریب گھرانے جن پھلوں پر اکتفا کرتے، ان میں امرود (جام) گنڈیری، کرمٹا، رائن، پپیتا اور کیلا شامل تھے۔ آم کے موسم میں بھی لوگ آم شوق سے کھاتے تھے۔ ناریل اور موسمی ایسے پھل تھے جنھیں غریب لوگ صرف بیماری میں ہی کھا سکتے تھے ورنہ یہ پھل ان کی پہنچ سے باہر تھے۔

شیرنی۔تبرک : میمن ہمیشہ سے مذہب سے لگاؤ رکھتے ہیں اور اسی مناسبت سے وہ وعظ (درس و تدریس) میلاد شریف کا اہتمام کرتے ہیں۔ نیاز بھی کراتے ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹے بڑے تہواروں پر بھی ایسی محافل منعقد کی جاتی ہیں جن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہے اور بعد میں تمام حاضرین میں تبرک، شیرنی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے۔ اس دور میں یہ سب کام بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ کیا جاتا تھا اور

تقریب کے اختتام پر حاضرین میں ساٹا، پوری، نان ختائی اور کیلے وغیرہ تقسیم کیے جاتے تھے۔

گھروں سے دوری۔ مردوں کی مجبوری : اس دور کے میمن مرد اپنے گھروں سے دور رہنے پر مجبور تھے۔ ظاہر ہے انہیں کوئی بھی ملازمت ان کے گھر کے قریب نہیں مل سکتی تھی، اس لیے انہیں گھر سے دور جانا پڑتا تھا۔ یہ حضرات چھوٹے بڑے شہروں میں سال سال بھر بہ سلسلہ روزگار یا ملازمت مقیم رہتے تھے اور سال میں ایک بار ہی آپاتے تھے۔ کمپنی انہیں عام طور سے ایک یا دو ماہ کی چھٹی دیا کرتی تھی اور یہ مرد حضرات یہ چھٹیاں اپنے گھر والوں کے ساتھ گزار کر پھر واپس اپنی ملازمت یا روزگار پر چلے جاتے تھے۔

رات کا آرام۔ سونا : اس مشکل دور میں رات کے وقت آرام کرنا اور سونا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لیے بھی خاصی محنت کرنی پڑتی تھی تب کہیں جا کر آرام کرنے کا موقع مل پاتا تھا۔ اس دور میں چارپائیوں پر سویا جاتا تھا جن میں یا تو ناریل کے بالوں سے تیار کردہ رسی استعمال کی جاتی تھی یا پھر سوتی پٹی۔ یہ سوتی پٹی لگ بھگ دو انچ چوڑی ہوتی تھی۔ اس طرح چارپائی کی بنائی کا کام ہوتا تھا۔ مگر چارپائی کا فریم اس کی چوکھٹ اور پائے مضبوط لکڑی سے بنوائے جاتے تھے۔ جب یہ چارپائیاں بن کر تیار ہوجاتی تھیں تو ان پر نرم، موٹی مگر آرام دہ دری بچھائی جاتی تھی۔ اس چارپائی کے لیے بان تو عام ملتا تھا مگر سوتی پٹی کھڈی پر تیار ہوتی تھی۔ یہ بھی کافی محنت و مشقت والا کام تھا۔ بہر حال اس دور میں اپنی ہر ضرورت اپنے ہاتھ کی محنت سے پوری کی جاتی تھی جو عزم و ہمت کا ایک مثالی نمونہ تھا۔

بڑی بوڑھیوں کا کردار : ڈیڑھ صدی پہلے کے میمن گھرانوں میں بڑے بوڑھوں کا بہت اہم کردار ہوتا تھا اور خاص طور سے بڑی بوڑھیوں کو گھر کی رونق، اس کا عطر سمجھا جاتا تھا۔ یہ بڑی بوڑھیاں ہی تھیں جن کی وجہ سے سب لوگ خود کو محفوظ و مامون تصور کرتے تھے کیونکہ یہ خواتین اپنے گھروں، اپنے بچوں، اولادوں اور ان کی اولادوں کے لیے سایہ دار درخت ہوا کرتی تھیں۔ رات کو عام طور سے بوڑھی خواتین نہ صرف اپنے گھروں بلکہ آس پاس کے گھروں کے بچوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا کرتی تھیں اور رات کے کھانے کے بعد ان کے پاس ان بچوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ پھر یہ بوڑھی خواتین ان بچوں کو مزے مزے کی کہانیاں بھی سناتی تھیں اور دلچسپ قصے بھی۔ ان میں جنوں پریوں کی کہانیاں، شہزادے شہزادیوں کی کہانیاں، اخلاقی کہانیاں سبھی شامل ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ بزرگوں اور اولیاء کی کرامتوں پر مبنی قصے بھی ان بچوں کو سنائے جاتے تھے تا کہ ان کے اندر اچھی اقدار پروان چڑھ سکیں۔ اس کے علاوہ وہ انہیں ایسے قصے سناتی تھیں جن سے بچے اسلام کی طرف راغب ہوتے تھے۔ یہ بڑی بوڑھیاں اپنے بچوں اور اطراف کے بچوں کو دعائیں بھی دیتی تھیں اور ان کے لیے جھاڑ پھونک کی خدمات بھی انجام دیتی تھیں۔ اگر کوئی بیمار ہوا تو اس پر کوئی دعا پڑھ کر دم کر دیا یا کسی گھریلو ٹوٹکے کے ذریعے اس کا علاج کر دیا۔ یہ خواتین چٹکی بجاتے نہ جانے کتنی بیماریوں کا علاج کر دیتی تھیں۔ وہ اپنے علم اور تجربے سے ان سب بچوں اور بڑوں کے لیے آسانیاں پیدا کرتی تھیں۔

آرائش، زیبائش، زیورات : اس دور کے میمن گھرانوں کی خواتین آرائش و زیبائش کا اہتمام تو کرتی تھیں مگر اس میں بھی سادگی اور وقار ہوتا تھا اسی لیے ان کی آرائش و زیبائش کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جہاں تک زیورات کا تعلق تھا تو اس دور میں زیور بنوانے کے لیے سونا سب کو پسند تھا۔ سونے سے خواتین کے جو زیورات تیار کرائے جاتے تھے ان میں کنٹھے، جھومنی، بولاخ اور کڑی وغیرہ شامل تھے مگر ان زیورات میں سب سے زیادہ مقبول زیور وہ تھا جو ناک میں پہنا جاتا تھا۔ اگر کوئی شادی شدہ عورت اپنی ناک میں سونے کی کیل یا بولاخ نہ پہنتی تو اس کو برا سمجھا جاتا تھا اور اس پر تنقید بھی ہوتی تھی۔ ہر دادی اور نانی کو اپنی پوتی یا نواسی کی پیدائش کے بعد اس کی ناک چھیدنے کی فکر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اس

زمانے میں گھر گھر گلی گلی ناک کان چھیدنے والے آتے تھے۔ان کے ہاتھوں میں ان کے آلات واوزاروں کی مخصوص پیٹی ہوتی تھی جس سے وہ ناک کان چھیدنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیتے تھے۔عام طور سے یہ کام کرنے والے حضرات بڑی عمر کے ہوتے تھے اور اپنے کام میں خصوصی تجربہ رکھتے تھے،اس لیے انہیں اپنے کام میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی اور نہ ناک کان چھدوانے والی بچیوں کو کوئی تکلیف یا پریشانی ہوتی تھی۔

کیسے کیسے زیورات : اس دور میں زیور پہننے کا ایک خاص انداز تھا،اس لیے اسی حساب سے ناک یا کان میں سوراخ کرائے جاتے تھے۔مثال کے طور پر کان کے نیچے اور اوپر دونوں طرف چھید کرائے جاتے تھے۔اس طرح دونوں کانوں میں کل ملا کر چار سوراخ ہوتے تھے اور ان میں سونے کی چار بالیاں پہنائی جاتی تھیں۔اس کے علاوہ کان میں پہننے والے دوسرے زیور کو کان پھول یا ایئر رنگ بھی کہا کرتے تھے۔گلے میں جو ہار یا کنٹھا پہنا جاتا تھا،اسے "ٹوں پیا" کہتے تھے اور یہ خاصے وزنی بنوائے جاتے تھے۔ان کے علاوہ جھومتی،کنٹھے اور ہار وغیرہ بھی خاصے بھاری ہوتے تھے۔اس دور میں ان کا وزن آٹھ سے دس تولہ تک ضرور ہوتا تھا،مگر ٹوں پیا کا وزن ان سے کہیں زیادہ ہوتا تھا۔سونے کے یہ زیور بیس سے پچیس تولے تک وزن کے ہوتے تھے۔میمن خواتین دونوں ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کڑے پہنتی تھیں۔اگر کڑے نہیں پہنتی تھیں یا ان کی حیثیت نہیں ہوتی تھی تو معمولی سے معمولی خواتین بھی سونے کی آٹھ آٹھ پتلی چوڑیاں دونوں ہاتھوں میں ضرور پہنا کرتی تھیں۔جوان بہو بیٹیاں سونے کے یہ گہنے اور زیورات بڑے شوق واہتمام کے ساتھ پہنا کرتی تھیں۔ان کی انگلیوں میں انگوٹھیاں،کلائی میں پہنچے اور پیروں میں چاندی کی جھانجریں (پازیب) ہوتی تھیں۔

سلمہ ستارے۔زری کے کام : میمن خواتین اس زمانے میں اپنے ملبوسات پر سلمہ ستارے اور زیک زری کا عمدہ کام کراتی تھیں۔ان میں سچی زیک زری استعمال کی جاتی تھی۔اسی طرح سونے کے زیورات خواتین کا "استری دھن" کہلاتا تھا یعنی یہ دولت عورتوں کی ہوا کرتی تھی۔اگر گھر میں کبھی مالی حالات خراب ہوتے تو اس موقع پر یہ زیور بھی کام آتے تھے اور سلمہ ستارے و زری کا سچا کام بھی کیونکہ کچھ خواتین اپنے زیور بیچ کر گرتے ہوئے گھر کو سہارا دے دیا کرتی تھیں اور کچھ خواتین اپنے ملبوسات سے سچے زیک زری کے کام کو اکھیڑ کر بیچ دیا کرتی تھیں جس سے ان کے مالی مسائل کسی حد تک حل ہو جاتے تھے۔مگر اپنی زبان سے نہ کبھی کسی کو اپنے حالات کے بارے میں بتایا جاتا تھا اور نہ کسی سے مدد طلب کی جاتی تھی بلکہ اس دور میں کسی سے مدد طلب کرنا باعث شرم سمجھا جاتا تھا،اس لیے میمن گھرانوں کے مرد اور خواتین اپنی بساط کے مطابق اپنے مسائل خود ہی حل کرلیا کرتے تھے۔

بزرگوں کی محفلیں : بزرگوں کی بیٹھک یا بزرگوں کی محفل اس دور میں میمن برادری کی بڑی اہم اور خاص چیز ہوا کرتی تھی۔اس محفل میں گاؤں کے سبھی افراد شامل ہو سکتے تھے۔کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔اس محفل کے دو اہم مقاصد تھے: پہلا مقصد یہ کہ اس طرح گاؤں والوں کو اپنے بزرگوں سے ملنے کا موقع ملتا تھا اور وہ ان سے تجربے کی باتیں سیکھتے تھے۔دوسرے یہ کہ اگر گاؤں والوں کو کوئی پریشانی ہوتی یا کوئی فرد یا کوئی گھرانہ کسی مشکل میں مبتلا ہوتا تو اس کے حل کی صورت بھی نکل آتی تھی اور لوگ ایک دوسرے کے حالات و مسائل سے باخبر رہتے تھے۔انہی محفلوں میں مستقبل کی منصوبہ بندیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔اس طرح یہ معاشرتی ناہمواریوں کو دور کرتے اور تبادلہ خیال کا ایک اچھا پلیٹ فارم ہوتا تھا۔

چائے،حقے کا رواج : اس دور کے میمن گھرانوں میں خاص طور سے گھر کے بڑے بوڑھے اور بزرگ عام طور سے چائے پینا پسند کرتے

تھے مگر بہت زیادہ نہیں اور نوجوان تو چائے کے قریب تک نہیں جاتے تھے البتہ انہوں نے بھی بعد میں چائے پینی شروع کردی تھی مگر اس کے اس طرح عادی نہیں تھے جس طرح آج ہیں بلکہ قدیم دور میں تو چائے کی پتی پانی میں ڈال کر ابالتے تھے اور صرف نزلہ زکام کی صورت میں پیا کرتے تھے۔ گویا چائے کا پانی بطور دوا استعمال ہوا کرتا تھا۔ جو میمن سیلون (سری لنکا) یا انڈیا کی ریاست بہ غرض ملازمت یا کاروبار جاتے تھے، وہ وہاں سے اپنے ساتھ چائے کی پتی کی سوغات ضرور ساتھ لاتے تھے۔ یہ لوگ نزلہ زکام کی صورت میں اپنے پڑوسیوں کو یہ چائے دے دیا کرتے تھے۔

بیڑی اور سگریٹ وہ چیز ہے جو میمن بزرگوں کو بھی پسند نہیں رہی البتہ حقہ ضرور پیتے تھے مگر یہ رواج عام نہیں تھا۔ خاص خاص لوگ ہی حقہ پیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ چاول، مونگ اور ارہر کی دال چکی میں پیسی جاتی تھی اور اس سے مزیدار و خوش ذائقہ پاپڑ اور سیو تیار کیے جاتے تھے۔ گویا کھانے کی یہ آئٹم بھی گھر کی خواتین تیار کرتی تھیں۔ یہ دالیں بھی ایک مصالحہ کوٹنے والے برتن میں کوٹی جاتی تھیں۔

کھانے کا رواج: اس دور میں میمن گھرانوں میں فرش پر بیٹھ کر کھانا کھایا جاتا تھا۔ چاہے دولت مند ہو یا غریب بھی عام طور سے فرش پر بچھی چٹائی پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ فرش پر کھجور کی چٹائی اور بوریاں بچھائی جاتی تھیں جن کے چاروں طرف رنگین کپڑے کی پٹی سی جاتی تھی۔ کھجور کے اس دسترخوان کو "سترہ" بھی کہا جاتا تھا۔ کھانے میں پلیٹیں استعمال نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان کی جگہ بڑے گول تھال یا تسلے ہوتے تھے جن میں کئی افراد ایک ساتھ مل بیٹھ کر کھاتے تھے۔ تیار کھانا سبزی یا گوشت کا سالن ان تسلوں میں نکالنے کے لیے تانبے کا ایک بڑا چمچہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے چاروں طرف لوگ بیٹھتے تھے۔ آج بھی بہت سے گھرانوں میں یہی قدیم طریقہ رائج ہے اور لوگ اپنے بزرگوں اور اسلاف کی طرح کھانا کھاتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اپنے منفرد طریقے کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ جس میں حسن بھی ہے ذائقہ بھی اور یہ کام پورے آداب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

شادی بیاہ کے کھانے: شادی بیاہ کے موقع پر چونکہ زیادہ مقدار میں کھانے کا انتظام کرنا ہوتا تھا، اس لیے اس وقت یہ ذمہ داری بزرگوں یا گھر کے بڑوں کے سپرد ہوتی تھی۔ اس موقع پر دولت مند حضرات قریبی شہروں سے مشہور و معروف باورچی بلواتے تھے اور ان سے حسب ضرورت اور حسب پسند کھانے تیار کرواتے تھے۔ یہ ماہر باورچی اپنے کام کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور لوگ ان کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ غریب اور متوسط طبقے کے لوگ مقامی باورچیوں کی خدمات حاصل کرتے تھے۔ وہ بھی عمدہ کھانے پکاتے تھے۔ اس دور کا ایک خاص طریقہ یہ تھا کہ مہمانوں کے لیے پلیٹیں یا چمچے میزبان فراہم نہیں کرتے تھے بلکہ تسلیاں اور چمچے وغیرہ بھی مہمان اپنے گھر سے اپنے ساتھ لے کر آتے تھے۔ اس سے دو فائدے ہوتے تھے: پہلا یہ کہ لوگ اپنے ہی برتنوں میں کھانا کھاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اس سے برتنوں کا کرایہ بھی بچ جایا کرتا تھا۔

دولت مندوں کے کھانے کی ڈشیں: دولت مند میمن اپنے مہمانوں کے لیے کھانے کی متعدد ڈشز تیار کراتے تھے جن میں قورمہ، بریانی، سموسے، کباب، گاجر اور لوکی کا حلوہ شامل ہوتا تھا۔ عموماً یہ ماہر باورچی احمد آباد سے بلوائے جاتے تھے۔

غریبوں کے کھانے کی ڈشیں: عام لوگ شادی، ولیمے اور دیگر خوشی کی تقریب میں میٹھے پھیکے چاول اور دال گوشت کی ڈش بنواتے تھے جبکہ میٹھے میں زردہ بطور سوئیٹ ڈش استعمال ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اکی، لڈو، گانٹھیا وغیرہ کا رواج تھا۔

زچگی کے طریقے: لڑکیوں کی شادی کے بعد اس دور کا دستور یہ تھا کہ بہو اور بیٹیاں پہلے بچے کی پیدائش کے وقت اپنے ماں باپ کے ہاں چلی جاتی تھیں اور یہ پہلی زچگی اپنے میکے میں کرتی تھیں، مگر دوسرے بچے کی پیدائش سسرال میں ہوتی تھی۔ یہ اس دور کا رواج تھا۔ اس زمانے

میں اسپتال جانے کا نہ رواج تھا اور نہ طریقہ۔ گھریلو دائیاں اس کام کو گھروں میں ہی بڑی مہارت کے ساتھ انجام دے لیا کرتی تھیں۔ یہ دائیاں حاملہ خواتین کو ان کی ضرورت کے مطابق گھریلو اور دیسی دوائیں بھی دیا کرتی تھیں اور حاملہ کی مسلسل دیکھ بھال کرتیں اور اسے روز دیکھنے کے لیے اس کے گھر آتی تھیں۔ دوران حمل یہ دائیاں حاملہ خواتین کو خالص دیسی گھی سے تیار کردہ شیرہ کھلاتی تھیں۔ بچے کی پیدائش کے بعد پورے چالیس روز تک نومولود بچے کی ماں کو لکڑی کے کوئلے کی سینک دی جاتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے اس کے جسم کی تھکن اور نقاہت دور ہوتی ہے اور توانائی بحال ہوتی ہے۔ نوزائیدہ بچے کو پورے دو سال تک اس کی ماں کا دودھ پلایا جاتا تھا۔ اس زمانے میں اوپر کا یا ڈبے کا دودھ پلانے کا کوئی تصور تک نہیں تھا۔

ختنہ کرانے کی رسم: اس دور میں بچے کی ختنہ کم عمری میں یا پیدائش کے فوری بعد نہیں کی جاتی تھی، بلکہ جب تک وہ چار سال کا نہ ہو جاتا، اس وقت تک یہ کام انجام نہیں دیا جاتا تھا۔ تجربہ کار جراح جنھیں خلیفہ کہتے تھے، بچے کی ختنہ کرتے تھے۔ اس موقع پر بڑی دھوم دھام ہوتی تھی اور یہ رسم شایان شان طریقے سے ادا کی جاتی تھی۔ بعض گھرانوں میں تو اس موقع پر گراموفون ریکارڈ بھی بجائے جاتے تھے کیونکہ اس وقت تک گراموفون ریکارڈ ایجاد ہو چکا تھا۔ عام طور سے ختنہ کی تقریب میں رات بھر جشن اور ہلا گلا ہوا کرتا تھا اور چائے کی محفلیں یا ٹی پارٹیاں منعقد کی جاتی تھیں۔ دن میں آنے والے مہمانوں کی مدارت چائے اور سالٹے سے کی جاتی تھی۔ دوسری جانب آنے والے مہمان ختنہ کرانے والے بچے کو تحائف بھی دیتے تھے اور نقد رقوم بھی۔ رات کوئی پارٹی کے علاوہ ایک اور پارٹی بھی ہوتی تھی جس میں پائے اور روٹی مہمانوں کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے۔ آنے والے مہمان اس تقریب سے مزید لطف اندوز ہونے کے لیے آپس میں تاش بھی کھیلتے تھے۔ اس کے علاوہ جس گھر میں بچے کی ختنہ ہوتی تھی، اس کے دروازے پر نیم کے پتے لگائے جاتے تھے اور ان پتوں کو جلا کر ان سے ختنہ کراتے والے بچے کو دھونی بھی دی جاتی تھی۔ ختنہ کرنے والے جراح (خلیفہ) ختنہ کا کام کرنے کے عوض تھوڑے بہت چاول لیتے تھے اور تھوڑے بہت پیسے۔ ختنہ کرانے والے بچے کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا جاتا تھا گویا اسے دولہا بنایا جاتا تھا۔

رشتہ۔منگنی۔نکاح: میمن گھرانوں میں رشتہ تلاش کرنے اور چھان بین کرنے کے بعد منگنی کرنے کا رواج تھا۔ پہلے دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرتے۔ لڑکے والوں کے حسب نسب کا پتہ چلاتے، ان کے رہن سہن اور تہذیب کے بارے میں معلومات حاصل کرتے۔ ننھیال ددھیال کے بارے میں چھان پھٹک کرنے کے بعد رشتہ طے ہو جاتا جس کے بعد پہلا مرحلہ منگنی کا ہوتا

کچھی، سندھی اور کاٹھیاواڑی گیت بڑے اہتمام کے ساتھ گائے جاتے تھے۔شادی سے پہلے جو دعوت نامے بھیجے جاتے تھے، وہ عام طور سے سرکاری ڈاک خانوں کے ایک پائی یا دو پائی والے پوسٹ کارڈ ہوتے تھے جن پر ہاتھ سے شادی کے دعوت نامے کو لکھا جاتا تھا اور اس پر زعفران کے پانی کے چھینٹے بھی مارے جاتے تھے۔ یہ خوشبو بتاتی تھی کہ کارڈ خوشی کا ہے۔شادی کے موقع پر دور دراز اور باہر سے آنے والے رشتے دار ایک ایک ہفتہ پہلے شادی کے گھر میں ڈیرے ڈال دیتے تھے۔ان کی رہائش کے لیے سبھی انتظامات کیے جاتے تھے جہاں مہمان جمع ہو کر خوش گپیاں کرتے تھے، ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ خوشی کی محفل ہے اور وہ بھی اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔اگر کچھ لوگوں کے درمیان اختلاف ہوتا تھا تو اس خوشی کے موقع پر وہ بھی ختم ہو جایا کرتا تھا۔دولہا سہرا باندھ کر دلہن کے گھر آتا تھا جس کے گھر کے آگے شامیانہ لگا ہوتا تھا۔نکاح کے بعد چھوارے تقسیم ہوتے تھے۔ہندو تہذیب و ثقافت نے ہمارے میمن گھرانوں کو بھی متاثر کیا تھا جس کے تحت دلہن کے جسم پر ہلدی ابٹن ملا جاتا تھا، دولہا کو لال چندری اڑھائی جاتی تھی، ناریل پھوڑا جاتا تھا، دلہن کی بہنیں دولہا کا جوتا چھپاتی تھیں اور پیسے لے کر جوتا واپس دیتی تھیں۔شادی سے پہلے دولہا دلہن کے چہرے کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس دور میں شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کی ملاقات نہایت معیوب بات سمجھی جاتی تھی جس کا کوئی تصور تک نہیں تھا۔

مسجد میں نکاح : میمنوں میں مسجد میں نکاح پڑھانے کا رواج بہت بعد میں پڑا تھا۔قاضی صاحب کی خدمت میں نکاح پڑھانے کے عوض کچھ رقم بھی پیش کی جاتی تھی۔بارات پیدل آتی تھی۔گاڑی کا کوئی تصور نہیں تھا اور امیر و غریب بھی باراتی بڑے فخر کے ساتھ پیدل چل کر مسجد میں آتے تھے۔

جہیز کا رواج : 19ویں صدی کے آخر تک میمنوں میں جہیز اسلامی تعلیمات کے مطابق دیا جاتا تھا جس میں درج ذیل چیزیں شامل ہوتی تھیں: قرآن مجید، جائے نماز، چادر، چند ملبوسات، کچھ برتن اور لیمپ۔کپڑے رکھنے کا صندوق بھی نہیں دیا جاتا تھا۔بعد میں جہیز میں پانی کی حیل (گھڑوں کی جوڑی) پانی گرم کرنے والا ساوار جو میمنی زبان میں ''سماوٹ'' کہا جاتا تھا، چارپائی، لحاف، تکیہ، چادر، گدا اور تھوڑے بہت مرادآبادی برتن بھی شامل ہوگئے۔صرف دولت مند گھرانوں میں دلہن کے ماں باپ اپنی جانب سے سونے کے زیور دیتے تھے، عام گھرانوں میں زیورات دینے کا رواج نہیں تھا۔اوسط طبقے کے لوگ اپنی بیٹی کو چاندی کے زیورات دیتے تھے۔

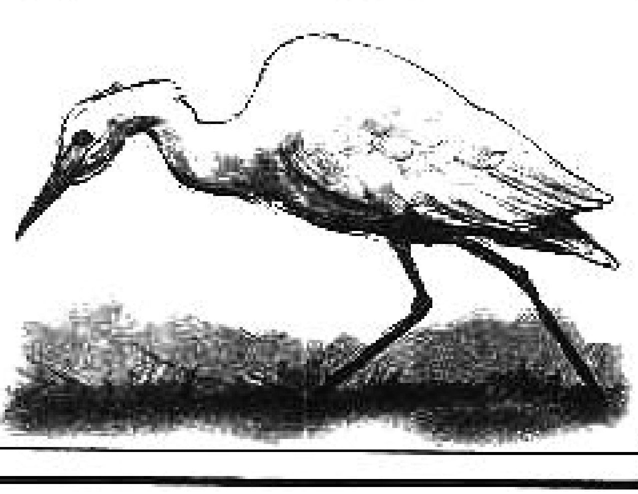

میں اسپتال جانے کا نہ رواج تھا اور نہ طریقہ، گھریلو دائیاں اس کام کو گھروں میں ہی بڑی مہارت کے ساتھ انجام دے لیا کرتی تھیں۔ یہ دائیاں حاملہ خواتین کو ان کی ضرورت کے مطابق گھریلو اور دیسی دوائیں بھی دیا کرتی تھیں اور حاملہ کی مسلسل دیکھ بھال کرتیں اور اسے روز دیکھنے کے لیے اس کے گھر آتی تھیں۔ دوران حمل یہ دائیاں حاملہ خواتین کو خالص دیسی گھی سے تیار کردہ شیرہ کھلاتی تھیں۔ بچے کی پیدائش کے بعد پورے چالیس روز تک نومولود بچے کی ماں کو لکڑی کے کوئلے کی شیک دی جاتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے اس کے جسم کی تھکن اور نقاہت دور ہوتی ہے اور توانائی بحال ہوتی ہے۔ نوزائیدہ بچے کو پورے دو سال تک اس کی ماں کا دودھ پلایا جاتا تھا۔ اس زمانے میں اوپر کا یا ڈبے کا دودھ پلانے کا کوئی تصور تک نہیں تھا۔

ختنہ کرانے کی رسم: اس دور میں بچے کی ختنہ کم عمری میں یا پیدائش کے فوری بعد نہیں کی جاتی تھی، بلکہ جب تک وہ چار سال کا نہ ہو جاتا، اس وقت تک یہ کام انجام نہیں دیا جاتا تھا۔ تجربہ کار جراح جنھیں خلیفہ کہتے تھے، بچے کی ختنہ کرتے تھے۔ اس موقع پر بڑی دھوم دھام ہوتی تھی اور یہ رسم شایان شان طریقے سے ادا کی جاتی تھی۔ بعض گھرانوں میں تو اس موقع پر گراموفون ریکارڈ بھی بجائے جاتے تھے کیونکہ اس وقت تک گراموفون ریکارڈ ایجاد ہو چکا تھا۔ عام طور سے ختنہ کی تقریب میں رات بھر جشن اور ہلا گلا ہوا کرتا تھا اور چائے کی محفلیں یا پارٹیاں منعقد کی جاتی تھیں۔ دن میں آنے والے مہمانوں کی مدارت چائے اور سانٹے سے کی جاتی تھی۔ دوسری جانب آنے والے مہمان ختنہ کرانے والے بچے کو تحائف بھی دیتے تھے اور نقد رقوم بھی۔ رات کوٹی پارٹی کے علاوہ ایک اور پارٹی بھی ہوتی تھی جس میں پائے اور روٹی مہمانوں کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے۔ آنے والے مہمان اس تقریب سے مزید لطف اندوز ہونے کے لیے آپس میں تاش بھی کھیلتے تھے۔ اس کے علاوہ جس گھر میں بچے کی ختنہ ہوتی تھی، اس کے دروازے پر نیم کے پتے لگائے جاتے تھے اور ان پتوں کو جلا کر ان سے ختنہ کرانے والے بچے کو دھونی بھی دی جاتی تھی۔ ختنہ کرنے والے جراح (خلیفہ) ختنہ کا کام کرنے کے عوض تھوڑے بہت چاول لیتے تھے اور تھوڑے بہت پیسے۔ ختنہ کرانے والے بچے کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا جاتا تھا گویا اسے دولہا بنایا جاتا تھا۔

رشتہ۔منگنی۔نکاح: میمن گھرانوں میں رشتہ تلاش کرنے اور چھان بین کرنے کے بعد منگنی کرنے کا رواج تھا۔ پہلے دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرتے۔ لڑکے والوں کے حسب نسب کا پتہ چلاتے، ان کے رہن سہن اور تہذیب کے بارے میں معلومات حاصل کرتے، ننھیال ددھیال کے بارے میں چھان پھٹک کرنے کے بعد رشتہ طے ہو جاتا جس کے بعد پہلا مرحلہ منگنی کا ہوتا ...کے والوں کی جانب سے چار بزرگ حضرات منگنی پکی کرنے کے لئے جاتے تھے۔ لڑکی والے دودھ یا چائے سے ان کا استقبال کرتے ...کر بعد دونوں گھرانے ایک دوسرے کو مٹھائیاں بھیجتے تھے۔ ان کے ساتھ تحائف بھی ہوتے تھے اور موسم کے پھل بھی۔ تیسرا مرحلہ ...ور سے عصر یا عشاء کی نماز کے بعد نکاح ہوتا تھا۔ اس سے پہلے دولہا کو گھوڑے پر سوار کر کے ڈھول تاشے کے ساتھ گلیوں میں ...بھی رشتے دار اور دوست احباب شامل ہوتے تھے۔ اس کے بعد نکاح کی رسم سادگی مگر وقار کے ساتھ ادا کی جاتی ...ما اپنے سر ڈھک لیتے تھے اور ٹوپیاں اوڑھ لیتے تھے۔

...مات۔کارڈ۔طور طریقے: شادی بیاہ کے موقع پر لڑکی اور لڑکے کے گھر شادی بیاہ کے گیت کئی کئی روز ...تھے۔ اس موقع پر آس پڑوس کی خواتین بھی شامل ہو جاتی تھیں۔ دولہا دلہن اور شادی کے حوالے سے اس دور میں

☆ ایکلو ماڑو کرو کرے متجی اکھیڑے نے واڑن بھرے
اکیلا انسان کیا کرے چارپائی کا بان کھول کر اسے پھر بھرے

☆ اللہ ملا بتو ڈوئی گینی نے تھوڑ دیلائے تو
کھانے کے لئے روزی تو اللہ ہی دیتا ہے لیکن چولہے پر رکھ کر ڈوئی اور
چمچہ تو آپ ہی کو چلانا ہوگا یہ کام کرنے اللہ نہیں آئے گا

☆ عقل جواد تھمیر منگایا سی بھاجی تا گینی آیو تھمیر
عقل کا مارا منگوایا تھا ساگ لے آیا دھنیا

☆ اساں تاں کورا کورا یوں، جیڈا جو مکام اڈاں وئو
ہم حکم کے بندے ہیں جہاں کہیں گے چلے جائیں گے

☆ اج سوکی سا تم آئے
کام ٹھنڈا ہے گاہک نہیں لگا

☆ آئیں گجر بوتاں بیو کرے لائے تا پچے
آپ خود ڈھیلے پڑیں گے تو دوسرے آپ کی کمزوری کا فائدہ ضرور
اٹھائیں گے

☆ آدو کھائی نے واسے پوڑوں
خواہ مخواہ کسی کے پیچھے پڑھانا

☆ اندھے وٹے روتوں تے اکھیوں کھوئیٹریوں
نا سمجھ یا بے عقل کو سمجھانے کی کوشش کرنا فضول ہے

☆ آلے سجے بدلے مالو
جو کچھ سوچ کر کیا تھا اس سے الٹ ہوا

☆ اندھارے میں ڈانگ کوٹاڑیں
انجان پن میں جو نہیں کرنا چاہتے تھے وہ ہوا

☆ اور کھاٹریں ہیرے جی کھاڑں آئے
جان پہچان بہت قیمتی چیز ہے کئی کام آسان ہو جاتے ہیں

☆ اڈے کے پیسن تھی اٹوج تھتو بیو کرو تھیو
ایک معاملے کو بار بار اٹھانا فضول ہے

☆ اوڑ کھیتو سپا ہی بوٹھو سا و دھو مارے
جان پہچان والے سرکاری اہلکار زیادہ تنگ کرتے ہیں

☆ اکھ میں کمر وہوئے تو بدے پیڑ وڈ سائے
بہت سے لوگ دوسروں کو بھی اپنی طرح کا سمجھتے ہیں

☆ عقل کوئی جے پے جی نائے
عقل پر کسی کا ٹھیکا نہیں یہ کسی کے پاس بھی ہو سکتی ہے

☆ عقل بٹاڑیں اندھار میں
انسانوں کے رنگ روپ اور ان کی دولت سے عقل کا کوئی تعلق نہیں یہ
کالے، گورے، غریب، امیر سب کے پاس ہو سکتی ہے

☆ عقل وکڑیں تے ڈاریا کھا دھاسی (ویں)
جب کوئی الٹا کام ہو جائے تو کہتے ہیں کہ عقل بیچ کر چنے کھالئے

☆ عقل وکافی میڑے تو موڑکھ کیر ہوئے
عقل اگر پیسوں سے خریدی جا سکتی تو دنیا میں کوئی بے عقل نہ ہو

☆ عقل کے ڈتی پلیتو
عقل پر پردہ پڑ گیا

☆ ایکلے جو اللہ
جس کا کوئی ساتھی نہ ہو اللہ اس کا ساتھی ہوتا ہے

☆ اکھ کاڑیں کرے نجر کاڑیں نا کرے

آنکھ بھلے کانی ہو مگر دیکھنا ہر ایک کو سیدھی نظر سے چاہئے

☆ اکھ پھوٹی کھمائے اچھی نا کھمائے

آنکھ پھوٹی برداشت ہوجاتی ہے آنکھ آئی برداشت نہیں ہوتی

☆ اکھ تاجا ئیوی کم نا آدی

ایک شخص کی بیوی بڑی نافرمان تھی۔ دوست نے اسے مشورہ دیا کہ اپنی بیوی کو آنکھیں دکھایا کر یعنی اپنی بیوی کو رعب داب میں رکھا کر۔ اس نے گھر جا کر بیوی کو اپنی آنکھ دکھائی لیکن بیوی نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس نے اپنے دوست سے کہا کہ بھائی! آنکھیں تو بہت دکھائیں مگر کچھ کام نہ آئیں

☆ اکھے آڈا کن کرنا

کسی کی غلطی سے صرف نظر کرنا۔ کسی معاملے کی طرف توجہ نہ کرنا

☆ مورا گیا سی سو بھاڑ و پٹھیا تھی بھوچھڑو

پر پھیلایا ہوا مور سامنے سے خوبصورت پیچھے سے بدصورت نظر آتا ہے۔

☆ اچھے پھول کپڑے کیج ڈاگھ لگے

اچھے کردار کے آدمی میں ذرا سا عیب، ذرا سی خامی بھی بڑی معلوم ہوتی ہے

☆ اج امیر کال فقیر

وقت ایک سا نہیں رہتا آج ہے کل نہیں ہوگا

☆ اج جی گھڑی نے کال جوڑی پاچھی ورا مڑن نا ئے

وہ گئے سو گئے واپسی کے آثار نظر نہیں آتے۔ کوئی ادھار لے جائے اور پھر منہ نہ دکھائے تب بولتے ہیں

برادری کے ترجمان
ماہنامہ
"میمن سماج" کراچی
میں اپنے تجارتی اداروں کی
مصنوعات کی تشہیر کے لئے
اشتہارات
دے کر تعاون فرمائیے!
بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ)
کراچی

اپنی خوشی کے موقع پر اپنے
غریب اور متوسط طبقے کے
عزیز و اقارب کو مت بھولیے۔

نماز پڑھیے
قبل اس کے کہ آپ کی
نماز
پڑھی جائے

مہنگائی

گجراتی کلام: حبیب جسدنی (مرحوم)

اردو ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل

دنیا میں کسی شخص کو دانائی نے مارا
کچھ ڈوب گئے سوچ کی گہرائی نے مارا
اکثر کو خدوخال کی رعنائی نے مارا
مجنوں کو بیابان کی پہنائی نے مارا
فرہاد کو تیشے کی توانائی نے مارا
ہم جائیں کہاں ہم کو تو مہنگائی نے مارا

تنگی کو پرکھنے کی کسوٹی نہیں ملتی
کیا ذکر ڈبل کا یہاں روٹی نہیں ملتی
جز عید ہمیں گوشت کی بوٹی نہیں ملتی
پتلون کہاں اب تو لنگوٹی نہیں ملتی
خوابوں کو گرانی کی صف آرائی نے مارا
ہم جائیں کہاں ہم کو تو مہنگائی نے مارا

مہندی ہو ولیمہ ہو کہ سہرا ہو مری جان
ہر لحاظ ہے موسن کی نئی آن نئی شان
کھلتا ہے زر و مال سے شادی کا گلستاں
کیسے کرے ایسے میں کوئی دوئی کا سامان
فرزند یہ کہتا ہے کہ تنہائی نے مارا
ہم جائیں کہاں ہم کو مہنگائی نے مارا

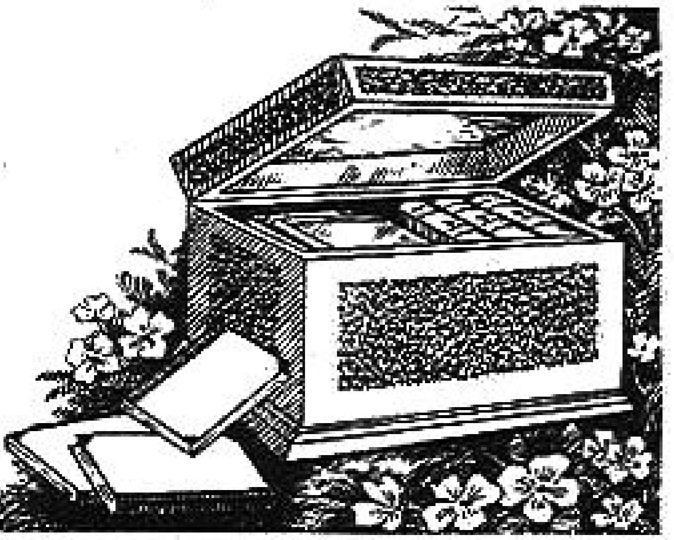

ہماری خوب صورت روایت

میمن برادری کی ایک عمدہ روایت: مہمان نوازی

انسان کا انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا تعلقات بڑھانا ایک فطری عمل ہے۔ معاشرے سے الگ تھلگ رہ کر کوئی شخص زندگی نہیں گزار سکتا اسے معاشرے میں رہتے ہوئے معاشرے کے رسم ورواج، عادات واطوار اور آداب پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا میمن معاشرہ کچھ مشترکہ اقدار کا پابند چلا آرہا ہے۔ مشترکہ اقدار میں ایک مشترک قدر ''مہمان نوازی'' کی ہے۔ ہماری ثقافت میں مہمان نوازی کی روایت صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ مہمان نوازی نہ صرف ہماری پرانی روایت، اخلاقی اور معاشرتی قدر ہے بلکہ ہمارے مذہب میں بھی مہمان نوازی کا حکم دیا گیا ہے اور مہمان کو خدا نے رحمت کہا ہے۔ جیسے جیسے وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہاں مہمان نوازی کے انداز بھی بدل گئے ہیں۔ میمن برادری کے تمام افراد مشترکہ اقدار کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن ہر گھر اپنی معاشی حیثیت کے مطابق حق مہمان نوازی ادا کرتا ہے۔

مشرق میں مہمان نوازی مغرب سے کہیں زیادہ اچھی کی جاتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مشرق مہمان نوازی کی اعلیٰ روایات کا نمونہ ہے۔ محبت اور خلوص یہاں کی مہمان نوازی کا خاصہ ہیں۔ کاٹھیاواڑی کمیونٹی خاندان اور خاندانی نام اپنے افراد کو مہمان نوازی اور خوش اخلاقی کی تربیت دیتے ہیں۔ معاشرے سے خاندان نے اور پھر خاندانی نظام نے جنم لیا اچھے اخلاق و کردار اور اچھے مہمان نواز خاندان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور معاشرے کے افراد ایک دوسرے کو اس مہمان نواز خاندان کی مثالیں دیتے ہیں۔ اخلاق کی تربیت ہمیں اپنے مذہب سے ملتی ہے مہمان نوازی میں سے اخلاقی صفت کو خارج کر دیا جائے تو باقی کچھ نہیں بچتا۔ میمن برادری کے مرد، خواتین اور بچے اپنے گھر آئے ہوئے مہمان سے دعا سلام کرنا ان کی خیر دریافت کرنا ان کے گھر کے باقی تمام افراد ماں، باپ، بہن بھائیوں، بچوں کے بارے میں پوچھنا اور اپنی خیریت سے ان کو آگاہ کرنا مہمانوں کو وقت دینا، انکی خاطر مدارات کرنا، ان کی باتوں کو توجہ سے سننا اور ان کے آرام اور ضرورت کا خیال رکھنا سب مہمان نوازی کے آداب ہیں۔ دوسرے شہر اور دوسرے ملک سے آنے والے قریب یا دور کے رشتے دار یا آپ کے دوست جاننے والے جب مہمان بن کر آئیں تو ان کی خاطر مہمان نوازی کریں۔ دوسرے ملک سے آنے والا مہمان ایک الگ ماحول اور ثقافت سے آتا ہے۔ ماحول، ثقافت کوئی بھی ہو محبت کے جذبات کو ہر ملک کا رہنے والا محسوس کرتا ہے۔ اچھی مہمان نوازی کو محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے جب مہمان آپ کے ہاں سے چلا جائے تو اپنے ساتھ اچھی یادیں، آپ کا خلوص محبت بھرے جذبات کا اثر اپنے ساتھ لے کر جائے اگر وہ پہلے سے آپ کو نہ جانتا ہو، آپ اسے نہ جانتے ہوں لیکن وہ آپ کے ہاں مہمان بن کر کچھ دن گزار جائے، چلے جانے کے بعد وہ مہینوں سالوں تک آپ کو اور آپ کی مہمان نوازی کو نہ بھول پائے، آپ کا دوست بن جائے، آپ کو دور دیس میں بھی جا کر یاد رکھیں اور وہ دوبارہ آپ سے ملنے کے لئے بے تاب رہے اس سے بڑھ کر مہمان نوازی کی کوئی اور مثال نہیں دی جا سکتی۔ اچھی مہمان نوازی کئی مرتبہ دوستی سے رشتہ داری میں بدل جایا کرتی ہے۔ معاشرہ جہاں اپنے افراد سے دوسری بہت سی توقعات رکھتا ہے وہاں اپنے افراد سے یہ توقع بھی رکھتا ہے کہ اس کے افراد مہمان نوازی کی اعلیٰ روایات کو قائم رکھیں۔

تھکی دیاسی

گجراتی کلام: یونس قیس (مرحوم)
اردو ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل

ڈوکا، دھونیاۓ، دھونیاۓ تھکی دیاسی
مسکا لگاۓ، لگاۓ نے تھکی دیاسی
چچے جو لقب سواۓ کرو ملیو؟
ہاں میں ہاں ملاۓ، ملانے نے تھکی دیاسی

پپی برتھ ڈے تو یو وگاۓ وگاۓ نے تھکی دیاسی
مومبتیوں نے بوجھاۓ بوجھاۓ نے تھکی دیاسی

کیک جی ٹکڑی تے زندگی کی ٹکرے مائیتر
پھوکنا، پھولاۓ، پھولاۓ نے تھکی دیاسی
نعرہ آئیں جا لگاۓ، لگاۓ نے تھکی دیاسی
جھنڈا آئیں جا فرکاۓ، فرکاۓ نے تھکی دیاسی
ہارٹ اٹیک بے سواۓ کرولیو آساکے؟
دل آں سے لگائی، لگائی نے تھکی دیاسی

آئیں جے لیے، کماۓ، کماۓ نے تھکی دیاسی
ناڑاں آئیں جا بچاۓ، بچانے نے تھکی دیاسی
آسان جے بھاگ میں، دھوم دام سواۓ کرو آویو؟
روپیا آنہ آئیں جا بینک میں رکھاۓ، رکھاۓ نے تھکی دیاسی

ڈان گجراتی میں مطبوعہ ایک تحریر کا ترجمہ

میمن برادری کی تاریخ اور ثقافت

تحقیق و تحریر: حبیب لاکھانی (مرحوم)، ممتاز ریسرچ اسکالر تاریخ میمن

Late Habib Lakhani

یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ میمن برادری ''کچھ'' اور سندھ میں بیک وقت سولہویں صدی کے نصف آخر میں وجود میں آئی۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے جید عالم اور صوفی بزرگ تھے۔ ان کی نسل کے بزرگوں کے ہاتھوں پر میمن برادری مشرف بہ اسلام ہوئی۔ میمن حضرات کی اکثریت اپنا جد امجد ''لوہانوں'' کو تسلیم کرتی ہے جو ایک ہندو تاجر برادری تھی۔ اس کے علاوہ ان میں دوسری برادریوں کی تھوڑی بہت آمیزش بھی ہے۔ میمن برادری کی مجموعی آبادی کا اندازہ تقریباً 25 سے 30 لاکھ کے درمیان لگایا گیا ہے۔ ان میں سے 6 لاکھ میمن پاکستان میں رہائش پذیر ہیں، تقریباً 40 لاکھ ہندوستان کو اپنا وطن بنائے ہوئے ہیں اور بقیہ 3 لاکھ دنیا کے دیگر ممالک میں آباد ہیں۔ ان میں 6 لاکھ 50 ہزار کاٹھیاواڑی ہالائی میمن ہیں جن میں ''اوکھا'' کے اوکھائی میمن بھی شامل ہیں۔ ''اوکھا'' کاٹھیاواڑ جزیرے کے شمال مشرقی گوشے میں واقع ہے۔ ان میں شمالی گجرات کے گجراتی میمن بھی شامل ہیں۔ ان ہالائی میمنوں میں سے نصف اس وقت پاکستان میں آباد ہیں۔

- ☆ شمالی افریقہ
- ☆ جنوبی افریقہ
- ☆ سری لنکا
- ☆ برما
- ☆ متحدہ عرب امارات
- ☆ سعودی عربیہ
- ☆ انگلینڈ
- ☆ ریاست ہائے متحدہ امریکہ
- ☆ کینیڈا

عظیم الشان جماعت : کراچی کی بانٹوا میمن جماعت' میمن برادری کی سب سے بڑی جماعت تسلیم کی جاتی ہے۔ اس میں بڑوں، بچوں اور خواتین کی تعداد تقریباً 95 ہزار کے لگ بھگ ہے۔

مذہب سے لگاؤ : جب کبھی بھی میمن کسی نئے مقام پر پہنچے تو انہوں نے اولین کام یہ انجام دیا کہ وہاں ایک مسجد اور مدرسہ قائم کیا اور اگر وہاں ان کی اچھی خاصی تعداد ہوتی تو جماعت کا قیام بھی عمل میں آجاتا تھا۔ میمن حضرات نے بے شمار مساجد تعمیر کرائیں۔ ان کی طرز تعمیر، نقشے اور دیدہ زیبی فن تعمیر کا جیتا جاگتا شاہکار ہیں۔ ان مساجد کے نقشے ان کے مخصوص شہروں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان میں کلکتہ کی زکریہ مسجد بمبئی کی منارہ مسجد، ڈھاکہ بیت المکرم مسجد، کراچی کی نیو میمن مسجد اور ڈھاکہ کی بیت المکرم مسجد آرٹ کے نادر نمونے ہیں۔ اس کے علاوہ میمنوں نے جاپان سے لے کر جنوبی افریقہ تک پھیلے ہوئے لاتعداد ممالک میں بھی اللہ کے گھروں کی تعمیر کرائی ہے۔ جنوبی افریقہ میں ڈربن کی جامع مسجد میمنوں کی تعمیر کردہ سب سے بڑی مسجد ہے۔ سندھ کے شہروں اور قصبوں کے ماضی کے دریچوں میں جھانکنے کے لئے ان مقامات کی مساجد موجود ہیں جن کے

طرزِ تعمیر اور بلند و بالا منارے ایک سے دو صدی تک کے ماضی کی داستان بیان کر رہے ہیں۔

قدیم ترین نسلی بزرگ : میمن برادری کی قدیم ترین شخصیت بانتوا کے سیٹھ حسین قاسم دادا ہیں جو 1000ء ہجری بمطابق 1592 عیسوی میں تھے۔ یہ بات ''باروت'' کے ریکارڈ سے تیار کی گئی ہے۔ باروت دراصل نسلی تواریخ مرتب کرانے والے پیشہ ور ریکارڈ کیپر ہوا کرتے تھے جو داستان ماضی بن چکے ہیں۔ تقریباً سات عشرے قبل یہ نسلی تواریخ کی سندھ سے کاٹھیاواڑ اور کچھ کی منظر کشی کر رہی ہے اور اب تازہ ترین اضافوں کے حوالے سے ایک مرتبہ پھر سندھ کی طرف آئی ہے۔

میمن حضرات کی فیاضی اور حوصلہ مندی "سخاوت اور دریا دلی" : مندرجہ بالا خصوصیات میمنوں کی ذات کا جزو خاص بن کر رہ گئی ہیں جو نہ صرف یہ کہ برادری اور جماعت کے غریب و نادار افراد کو ہر طرح کی مالی امداد، تعلیمی وظائف اور دوسری ضروری زندگی کے حصول میں معاون بنتے ہیں بلکہ بڑے پیمانے پر انسانیت کی خدمت کرنے کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے بے شمار اسپتال، ڈسپنسریاں، زچہ خانے، دارالاطفال اسکول کالج اور گھریلو صنعتی اداروں کے علاوہ انسانیت کی فلاح و بہبود سے متعلق ادارے قائم کئے ہیں۔ ان تمام اداروں کے دروازے میمنوں کی دیرینہ روایت کے مطابق بلا امتیاز نسل رنگ سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ قومی سطح کے تمام فنڈ میمنوں کے عطیات سے شروع ہوتے ہیں اور عطیہ دہندگان میں میمن ہی سرفہرست رہتے ہیں۔

قدیم ترین میمن جماعت : ہندوستان میں بہت سی میمن جماعتیں اور سماجی تنظیمیں موجود ہیں جن کی تاریخ ایک صدی پیچھے تک کا احاطہ کرتی ہے لیکن ریکارڈ کے مطابق کچھی میمن جماعت ان میں قدیم ترین ہے۔

قدیم ترین دستاویز : قدیم ترین سرکاری دستاویز جو میمن فرد کے نام پر ہے یہ کاٹھیاواڑ کی سابقہ ریاست جام نگر کی ملکیت ہے۔ یہ علاقہ 1670 تا 1707ء عیسوی احمد آباد کے مغل گورنروں کی زیر نگرانی رہا۔ یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ کچھ عرصہ قبل ایک گجراتی جریدے ''یاد و دانش پرکاش'' نے کچھ قدیم و نادر تحریریں شائع کی ہیں۔ انہی فارسی دستاویز میں ایک خاتون خدیجہ کا نام موجود ہے جو لطیف گلریا کی دختر تھیں۔ گلریا کچھی میمنوں کی بڑی مشہور و معروف شاخ ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سے گلریا خاندانوں نے ریاست کچھ سے جام نگر کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس طرح خدیجہ گلریا کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ پہلی میمن خاتون ہیں جن کا نام ایک سرکاری دستاویز میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر رہ گیا ہے۔

زبان اور رسم الخط : میمن زبان دراصل سندھی زبان کی قائم مقام ہے جس میں کچھی گجراتی اور دوسری ہمسایہ زبانوں کی آمیزش بھی ہے۔ اس طرح یہ بہت سے حسین پھولوں کا گلدستہ بن گئی ہے۔ رچرڈ برٹن کہتے ہیں ''سندھی زبان کے کئی رسم الخط ہیں جن کی بنیاد سنسکرت اور عربی ہیں اور سنسکرت پر مبنی رسم الخطوں میں انیسویں صدی کے وسط میں ایک میمنی رسم الخط بھی پایا گیا ہے۔''

1914ء میں لینگوسٹک سروے آف انڈیا ہوا۔ اس میں سنسکرت کی بنیاد پر بنائے گئے سندھی زبان میں دو میمنی رسم الخط بھی تھے۔ اس کی شناخت ٹھٹھوی میمنی اور حیدر آبادی کی حیثیت سے کی گئی تھی۔ ریاست کچھ اور کاٹھیاواڑ کے میمن صدیوں سے گجراتی زبان کو بحیثیت تحریر استعمال کر رہے ہیں اور اس طرح وہ میمنی زبان کو بھی گجراتی رسم الخط میں لکھتے ہیں۔ حال ہی میں سندھی عربی رسم الخط کی طرز پر میمنی زبان تحریر کرنے کے تجربات کئے گئے ہیں۔ سندھی میمنی زبانوں کے ترجمے میں چنداں دشواری نہیں ہے کیونکہ میمنی زبان کسی بھی طرح سندھی زبان سے مختلف نہیں ہے۔

خلافت اور میمن : 1919ء میں آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم کی گئی۔ سیٹھ محمد میاں جان محمد چھوٹانی کو اس تنظیم کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس خلافت کمیٹی کا اعزازی سیکریٹری جنرل سیٹھ احمد حاجی صدیق کھتری کو بنایا گیا تھا۔ آپ حضرات نے شروع کے اہم ترین چار برسوں میں کمیٹی کی کارکردگی اور معاملات پر کڑی نظر رکھی۔ 1920ء میں بمبئی میں چھوٹانی سیٹھ کی زیر صدارت ایک عوامی نشست ہوئی جس میں ملکی سطح پر تحریک عدم تعاون شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بعد میں مسلم لیگ اور کانگریس دونوں ہی اس تحریک سے متفق ہوگئیں۔ اگست 1920ء میں بڑے زور و شور سے ایک زبردست مہم شروع کی گئی ہر قسم کی برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا گیا۔ سرکاری ملازمین نے ملازمتوں کو خیر باد کہا۔ ہزاروں افراد نے جن میں میمنوں کی کثیر تعداد موجود تھی اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اس کے علاوہ ترک مسلمانوں کی مدد کے لئے لاکھوں روپے کے عطیات جمع کئے گئے۔ حسب دستور عطیہ دہندگان میں میمن سرفہرست رہے۔ اس طرح ہندوستان میں یہ پہلی عدم تشدد کی عوامی تحریک تھی۔

تخلیق پاکستان : 1937ء میں پاکستان میں پہلے صوبے کی تخلیق عمل میں آگئی جس کے اہم ترین خالق عبداللہ ہارون تھے۔ ایک دہائی سے زائد عرصے کی مسلسل کوششوں کے بعد آپ سندھ کو بمبئی سے خصوصاً مذہبی بنیادوں پر علیحدہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ عبداللہ ہارون نے اکتوبر 1938ء میں کراچی میں منعقدہ سندھ مسلم لیگ کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اپنی تقریر میں وہ پالیسی اپنانے پر زور دیا جس سے برصغیر میں مسلم انڈیا کی تخلیق کی طرف رہنمائی مل سکے۔ کانفرنس نے ان بنیادوں پر ایک قرارداد منظور کی جس کو ہندو پریس نے فوراً ہی مطالبہ پاکستان کا نام دے دیا۔ کانفرنس کے اختتام کے بعد فوراً ہی عبداللہ ہارون نے مسلم لیگ کے نقطہ نظر کو وسعت دینے اور عام کرنے کی مہم شروع کر دی۔ 1938ء میں لیگ کونسل نے اپنی دہلی اجلاس میں اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ عبداللہ ہارون کو اس کا چیئرمین بنایا گیا۔ اس کمیٹی نے بڑے منظم طریقے سے ایک وسیع ترین ملک گیر پروپیگنڈہ مہم شروع کی جو بعد میں بیرون ملک تک پھیل گئی 1940ء میں مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں اکتوبر 1938ء کی قرارداد کو بنیاد بنا کر بہت سی ترجیحی اسکیمیں پیش کی گئیں۔ جس اسکیم کو بعد میں قطعی طور پر درست تسلیم کیا گیا وہ اسکیم عبداللہ ہارون کمیٹی اسکیم کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کمیٹی نے دو مسلم ریاستوں کے قیام کا مطالبہ کیا تھا۔ پہلی ریاست برصغیر کے شمال مغربی حصے میں اور دوسری ریاست قائم کرنے کا مطالبہ برصغیر کے شمال مشرقی حصے میں کیا گیا تھا۔ اس اسکیم کی بنیادوں پر قائم قرارداد اجلاس میں منظور ہوگئی اور قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔

قدیم ترین میمن مسجد : میاری سندھ میں موجود میمن مسجد اپنی حقیقی اور ابتدائی شکل میں موجود ہے۔ یہ قدیم ترین میمن مسجد ہے۔ ایک سندھی جغرافیائی لغت کے مطابق یہ 1802ء میں تعمیر کی گئی تھی۔

انسانیت کی خدمت : میمن برادری نے بے شمار مدارس پرائمری اور مڈل کے اسکول کالج، رفاہی ڈسپنسریاں، زچہ خانے اور اسپتال قائم کئے ہیں جن سے مستفید ہونے والوں میں میمن اور غیر میمن کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ان رفاہی اداروں کا شمار کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے اس لئے اس مختصر سی جگہ میں ان اسکولوں، کالجوں، اسپتالوں اور یتیم خانوں کے نام دیئے جا رہے ہیں جن کو قائم کرنے کا سہرا میمن برادری کے سر ہے۔

پاکستان میں تعلیم : 1973ء میں جبکہ حکومت نے نجی تعلیمی اداروں کو قومی ملکیت میں لیا تھا، اس وقت میمن برادری پاکستان میں 91 اسکولوں اور چار کالجوں کو چلا رہی تھی۔ ان میں 46000 سے زائد طلباء تعلیم حاصل کر رہے تھے اور سالانہ خالص خسارہ تقریباً 35 لاکھ روپے کا ہوتا

تھا۔ جناب پیر محمد ابا عمر کالیا اور ان کے چند رفقاء کی چار سال مسلسل جدوجہد کے بعد (جو کہ آل پاکستان میمن فیڈریشن کے پرچم تلے تھے) 1984ء میں حکومت نے 1970ء میں اسکولوں کی قومی ملکیت ختم کر کے ان کو ان کی سابقہ انتظامیہ کے سپرد کر دیا۔ پانچوں کالج اور چند اسکول جو کہ پہلے کچھی میمن کے زیر انتظام کام کر رہے تھے حکومت کی زیر نگرانی ہی چلتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسکول، کالج اور انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کیے گئے۔

ہندوستان میں پہلی برطانوی خاتون ڈاکٹر : برصغیر ہندوپاک میں پہلی خاتون برطانوی ڈاکٹر کو بلانے کا سہرا ماضی کے ایک عظیم نیک اور انسان دوست جناب کمو سلیمان کے سر ہے۔ آپ نے اس برطانوی خاتون ڈاکٹر کی خدمات ایک رفاہی ڈسپنسری کے لئے حاصل کی تھی اور اب اس کے انتظامی امور کی نگرانی کے فرائض کمو اسپتال کی ایک کمیٹی انجام دے رہی ہے۔

تراشہ: میمن ویلفیئر لائبریری

گجراتی سے ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل

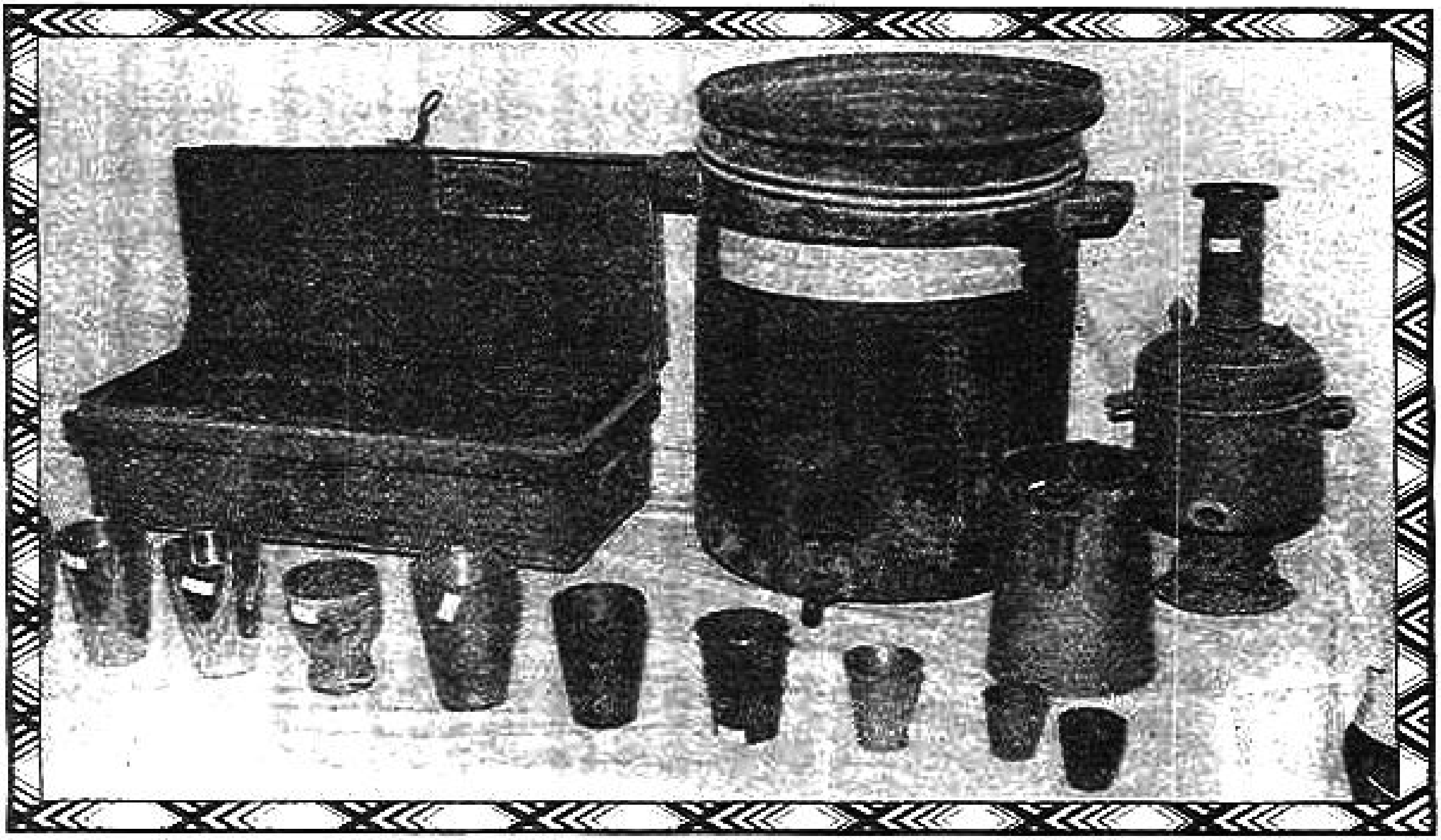

کاٹھیاواڑ میں پہلے گھروں میں تانبے کے برتنوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ تانبے کے برتنوں کی ایک تصویر۔

(فوٹو بشکریہ: عبدالعزیز عثمان ایدھی مرحوم)

برادری کی ثقافت اور قدیم روایات

میمنوں کا کلچر اور معاشرتی زندگی کے چند عمدہ اور روشن پہلو

میمنوں کی ثقافت اور طرز زندگی

کاوش انتخاب: چند میمن خواتین کے عملی تجربے

اردو ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل، سینئر ریسرچ اسکالر میمن تاریخ وثقافت

تاریخی کتب اور گزیٹئر میں غیر ملکی مصنفین نے یہ بھی لکھا ہے کہ میمن بہت اچھے کھانے پکاتے تھے اور ان کے کھانوں کا ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ مگر دوسرے مسلمان مصنفین اس سے اتفاق نہیں کرتے، غیر ملکی آتھر کے مطابق میمن خوب صحت مند ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چار قسم کے کھانوں کے شوقین ہیں۔ یہ سب لوگ شمالی گجرات سے آئے تھے اور ان کی صحت اچھی تھی۔ ان کی خوراک ''ہڈا پاؤ'' HADDA PUAO تھی، یہ اسٹیو کی ڈش تھی جو چاول اور بھیڑ کی ہڈیوں پر مشتمل ہوتی تھی اور گھی میں پکائی جاتی تھی۔ ہڈیوں کا یہ اسٹیو کچھیوں کو مرغوب تھا جبکہ MINDRAJA ہالائی میمنوں کی پسندیدہ ڈش تھی۔ مونگ کی کھچڑی یا MUNG KI KHICHADI چاول دال، گھی، دہی، دال کے بسکٹوں اور آم کے اچار پر مشتمل ہوتی تھی۔ ان لوگوں کی من پسند تیسری ڈش مولی، SEKTA یا مچھلی اور بھنڈی تھی۔ ایک اور MUTHIA یا مچھلی کا کیک ہوتا تھا جو کچھیوں کو پسند تھا جبکہ ہالائی میمنوں کو DORKIS پسند تھے۔ یہ موٹے بسکٹ ہوتے تھے اس کے علاوہ دالوں سے ایک اور بھی ڈش تیار کی جاتی تھی۔ نمکین یا نمک لگائی گئی مچھلی، چاول اور جو کی روٹی گھی اور مصالحے ملا کر پکائی جاتی تھی۔ یہ سب میمنوں کی مرغوب اور پسندیدہ ڈشز تھیں۔

میمنوں کے کاروبار (بزنس): بعض کچھی اور ہالائی میمن کھانے اور لباس کے معاملے میں ایک دوسرے سے مختلف تھے مگر کیا وہ کاروبار اور بزنس میں بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے؟ ایسا نہیں تھا۔ اس معاملے میں ان کے درمیان کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی تھی۔

خاموش امداد: گزیٹئر کے مصنف نے لکھا ہے کہ کچھی میمن ''خاموش امداد'' کے شوقین تھے۔ وہ صدقہ وخیرات بہت چپکے سے کرتے تھے۔ ایک میمن سوداگر حاجی زکریا (1840 - 1823ء) نے بمبئی میں زکریا مسجد تعمیر کرائی تھی بعد میں اس سڑک کا نام ان کے نام سے منسوب کردیا گیا۔ حاجی زکریا سخاوت وفیاضی کی اپنی مثال آپ تھے۔ اس حوالے سے ایک واقعہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ زکریا مسجد میں مالوہ کے ایک غریب اور دیندار و تعلیم یافتہ مولوی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ رات کے وقت ایک گندی اور پرانی سی چادر میں اپنا منھ چھپائے ایک بوڑھا آیا اور ان مولوی صاحب کے سر میں مالش کرنے لگا۔ مولوی صاحب نے اس بوڑھے کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ غرض مولوی صاحب سوگئے۔ اگلے روز ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے بستر پر 20 روپے کا نوٹ پایا۔ دوسری رات وہی بوڑھا پھر آیا تو مولوی صاحب نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ سو رہے ہوں مگر وہ جاگ رہے تھے۔ انہوں نے عین اس وقت اس بوڑھے کا ہاتھ پکڑ لیا جب وہ ان کے بستر کے نیچے ایک کاغذ رکھ رہا تھا۔ تھوڑی سی کشمکش ہوئی تو بوڑھے کی پرانی چادر گرگئی۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ حاجی زکریا تھے اور جو کاغذ وہ وہاں ڈال رہے تھے وہ سو روپے کا نوٹ تھا۔ نوٹ کے ساتھ ایک اور کاغذ تھا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

''احترام تعلیم کو سلام۔۔۔اللہ تعالیٰ کی اس عطاء پر مجھے معاف کردیجئے گا۔''

زبانوں کا فرق : حالانکہ کچھی میمنوں اور ہالائی میمنوں میں کئی فرق تھے اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کو مکمل طور پر سمجھتے تھے۔حالانکہ کچھی میمن سندھی لہجے میں بولتے تھے اور ہالائی میمنوں کا لہجہ کاٹھیاواڑی تھا اس کے باوجود وہ کم وبیش ایک ہی زبان بولتے تھے۔ان کے بعض لفظ تو بالکل ایک تھے۔گزیٹر میں اس حوالے سے کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں

انگریزی الفاظ		کچھی میمن	ہالائی میں
Behind	پیچھے	PUTHIA	WANSE
Bread	روٹی	MANI	ROTI
Bring	لانا	GINIAH	a'n
Call	پکار	SADKAR	BARAK
Fall	گرنا	CHAMIPONE	PAI
Father	باپ	BAPA	PE

چنانچہ اگر کوئی کچھی اپنے باپ کو BAPA کہہ کر پکارتا تھا تو ہالائی اسے PE کہتا تھا اسی طرح ان کے مذہبی عقائد بھی ایک تھے: کچھی اور ہالائی (دونوں) سنی ہے اور فقہ حنفی کو مانتے ہیں۔یہ وہ مسلک ہے جس سے انڈیا اور ترکی کے زیادہ تر مسلمان وابستہ ہیں۔ویسے تو سبھی میمن کٹر مذہبی ہیں مگر ان میں سے کچھ بالخصوص کچھی اپنے اسلام قبول کرنے کے ابتدائی دور سے بھی منسلک ہیں اور اس عہد کے رسم ورواج کو آج بھی اپنائے ہوئے ہیں۔اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور اپنی بیواؤں کو وراثت کا حق نہیں دیتے جیسا کہ ان کے جد امجد لوہانے کیا کرتے تھے لیکن کچھ دہائیوں سے سوچ میں تبدیلی آچکی ہے۔

میمنوں کے کاروبار (بزنس) کے شعبے : گزیٹر اس حوالے سے لکھتا ہے: ''میمنوں کے کچھ لوگ دستکاری کے شعبے سے وابستہ ہیں مگر ان کی اکثریت تجارت اور سوداگری کے شعبے سے وابستہ ہے۔یہ لوگ ڈیلرز بھی ہیں اور دکان دار بھی...غرض یہ لوگ کسی نہ کسی بزنس سے منسلک ہیں مگر اس بزنس میں نشے آور اشیاء کی تجارت شامل نہیں ہے جو اسلام میں ممنوع (حرام) قرار دی گئی ہے۔جام نگر کے بوہروں کے بعد میمن مسلمانوں میں سب سے کامیاب سوداگر ہیں۔وہ اپنی کامیابی کا کریڈٹ سوداگری اور تجارت میں اپنی صاف گوئی کو دیتے ہیں اور وہ بزنس میں ذاتی اور خصوصی توجہ دیتے ہیں۔یہ پرامید اور جرات مند لوگ ہیں۔وہ بزنس کی کسی بھی شاخ میں بے خوفی سے کود پڑتے ہیں اور دل لگا کر کام کرتے ہیں۔اس انداز فکر کی دو وجوہ ہیں۔پہلی یہ کہ انہیں یہ خصوصیات ان کے جد امجد لوہانوں سے ملی ہے اور دوسرے یہ کہ ان کا اس بات پر عقیدہ ہے کہ جس بزرگ شخصیت حضرت سید یوسف الدین قادریؒ کے ہاتھوں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا انھوں نے اس قوم (برادری) کو پھلنے پھولنے کی دعا دی تھی۔میمن عام طور سے قرض نہیں لیتے البتہ کاروباری لین دین میں اشیاء یا رقم کا تبادلہ الگ چیز ہے۔وہ سود پر رقم نہیں لیتے کیونکہ یہ اسلام کے خلاف ہے یہ الگ بات ہے کہ خاص طور سے غیر ملکی تجارت میں ان کے بینک اکاؤنٹس سے ان کے سرمائے پر ملنے والا سود مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا۔انھوں نے اپنے نوجوانوں کو کافی بعد میں انگریزی کی تعلیم دلوانی شروع کی مگر یہ رجحان صرف اعلیٰ طبقے کے میمنوں میں تھا۔اکثر میمن

لڑکیاں نہ صرف ہندوستانی زبان پر عبور رکھتی ہیں بلکہ وہ مذہبی تعلیم میں بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔''

طرز زندگی : 1899ء کے بمبئی کے گزیٹئر میں یہ بھی لکھا ہے کہ میمنوں کا طرز زندگی کیسا تھا۔ آیئے دیکھتے ہیں: ''مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے میمن صبح بیدار ہوجاتے ہیں اور موذن کی اذان پر نماز فجر (صبح کی نماز) ادا کرتے مسجد میں جاتے ہیں۔ اس طرح ان کا دن شروع ہوتا ہے اس کے بعد ناشتہ کرتے ہیں ان کا ناشتہ دوڈبل روٹی کے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جنھیں دودھ یا چائے میں بھگویا جاتا ہے۔ اس کے بعد روزمرہ کے دوسرے کام شروع ہوتے ہیں۔ عام میمن زنبیل (عربی ٹوکری کی ایک قسم) ساتھ لے کر بازار جاتے ہیں اور وہاں سے دو سے تین روپے میں دن بھر کا سودا سلف خریدتے ہیں۔ پھر وہ محنت اور دیانت سے کام کرتے ہیں اور اپنا پسینہ بہا کر روزی کماتے ہیں۔ میمن دوسرے دکانداروں یا سوداگروں سے حسد نہیں کرتے۔ ان کا دوپہر کا کھانا (لنچ) شوربے، چپاتی (روٹی) گوشت، کباب یا تلی ہوئی مچھلی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ شوربا اور چاول بھی ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ سوئیٹ ڈش ہوتی ہے جو موٹی سویوں سے تیار کی جاتی ہیں۔ مچھلی میں پمفریٹ (پاپلیٹ) پسند کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ حلوہ اور Bombil بھی ہوتی ہے۔ بومبل تازہ بمبئی بطخ ہوتی ہے۔ مرغی اور بطخ کا گوشت عام طور سے چھٹی کے دن استعمال کیا جاتا ہے۔ لنچ کے بعد جسے موقع ملتا ہے وہ قیلولہ کرتا ہے اور پھر دوپہر کی نماز ادا کرتا ہے جو عام طور سے قریبی مسجد میں ادا کی جاتی ہے اس کے بعد بزنس پھر شروع ہوتا ہے جو رات آٹھ بجے تک جاری رہتا ہے اور بعض لوگ 9 بجے تک بھی کرتے ہیں۔ جب میمن رات کو گھر واپس لوٹتے ہیں تو ہلکا پھلکا کھانا کھاتے ہیں جو عام طور چاول اور مونگ کی دال کی کھچڑی ہوتی ہے۔''

کھیل کود : ایسی بات نہیں ہے کہ میمن صرف کام ہی کرتے ہوں، وہ کھیل کود کے لیے بھی وقت نکالتے ہیں۔ 19 ویں صدی کے آخر اور 20 ویں صدی کے آغاز میں ڈنر کے بعد میمن کیا کرتے تھے، اس کے لیے گزیٹئر کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''رات کے کھانے کے بعد نوجوان میمن شام کی سیر و تفریح کے لیے نکل جاتے ہیں۔ اس دوران وہ آئس کریم کا گلاس لیتے ہیں یا کافی پیتے ہیں یا ممکن ہو تو فالودہ کھاتے ہیں۔ جن میمنوں کے پاس اپنی گاڑی ہوتی ہے وہ بال بچوں کے ساتھ اپولو بندر یا بینڈ اسٹینڈ کی طرف نکل جاتے ہیں۔ اس دوران وہ نمکین پستے اور بادام کھاتے ہوئے دوست یا ساتھی سے اناج، کاٹن یارنگ کے ریٹ پر بات کرتے ہیں۔ گھر واپس آتے ہوئے وہ یا تو ایرانی یا اینگلو انڈین سوڈا واٹر شاپس پر رکتے ہیں۔ اکثر و بیشتر نوجوان میمن تھیٹر بھی چلے جاتے ہیں۔ اس شام کے آخر میں ''ملائی کے پیالو'' استعمال کیے جاتے ہیں جس میں کریم کے ساتھ گیہوں کا دلیہ ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی سخت ابلے ہوئے انڈے بھی ہوتے ہیں۔ بڑی عمر کے میمن اپنی شام چائے خانے یا کافی شاپ میں گزارتے ہیں جہاں وہ کاروبار اور سوداگری پر بات بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ دوستوں کے گھر بھی جاتے ہیں تو اضع بھی ہوتی ہے اور حسب فرمائش غزلیں بھی ہوتی ہیں۔ اس زندگی کا ایک اور پہلو بارش کے لیے سڑک پر ادا کی جانے والی نماز (نماز استقاء) ہوتی ہے۔ رات نو بجے بڑی تعداد میں نوجوان اور لڑکے جن پچاس سے سو کے درمیان ہوتے ہیں سڑک پر جمع ہوجاتے ہیں اور برسات کے گیت گاتے ہیں۔ یہ گیت کسی گجراتی یا ہندوستانی شاعر کے لکھے ہوتے ہیں اور ان کے الفاظ کچھ اس طرح ہوتے:

اے خدا ہم پر رحم فرما — ہمارے لیے بارش برسا
اے خدا بادلوں کو حکم دے — وہ باران رحمت برسائیں

میمن اور فنون لطیفہ : میمنوں کے شروع سے ہی فنون لطیفہ سے لگاؤ رہا ہے۔ اس حوالے سے گزیٹئر میں آیا ہے: ''اردو ڈرامے

جیسے ''دلفراش'' نے حاضرین کی خصوصی توجہ حاصل کی تھی۔ توریس روڈ کے دیوان خانے اور آس پاس کے علاقے کو خوب سجایا اور سنوارا گیا تھا۔ اسے ''میمانوں'' کے لیے آراستہ کیا گیا تھا نہ صرف میمانوں بلکہ عربوں، KONKANIS اور دیگر عقائد کے لوگوں کے لیے بھی آراستہ کیا گیا جو یہاں لطف اندوز ہونے آئے تھے۔''

میمن .. افریقہ میں : افریقہ میں ایشیا کے لوگوں کو جس طرح ویلکم کہا گیا تھا اس کے پس پردہ ایک عنصر یہ بھی تھا کہ افریقی سفید فاموں سے خوفزدہ رہتے تھے اسی لیے جب گندمی رنگ کے لوگ ان کے ہاں آتے تو انہیں بہت اچھے لگے۔ سفید فام سیاہ فاموں پر ظلم توڑتے تھے جبکہ ایشیا کے گندمی رنگ کے لوگ ان سیاہ فاموں کو تحفظ فراہم کرتے تھے۔ بعض نرم دل اور ہمدرد سفید فام نیگرو جیسیوں کے ساتھ کام کرنا چاہتے تھے مگر نیگرو ان سے ڈر کر دور بھاگتے تھے۔ غرض اس طرح نیگرو حبشی (افریقہ کے مقامی) ایشیا کے لوگوں کے قریب آگئے اور یہی وجہ تھی کہ ان مقامی لوگوں میں خاص طور سے میمن بہت مقبول ہوگئے اور اسی کے باعث ان کی تجارت اور کاروبار خوب ترقی کرنے لگا۔ تاریخی کتابوں میں لکھا ہے:

''ویسے تو تمام سفید فام تاجر خراب نہیں تھے۔ وہ بھی نیگروؤں کے قریب آنا چاہتے تھے۔ ان کے ساتھ کاروبار کرنا چاہتے تھے مگر چونکہ ان کی نسل دوسرے لوگوں نے ان سیاہ فاموں سے ہمیشہ نفرت کی تھی اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے اس لیے نیگرو سفید فاموں کے قریب نہ آسکے مگر جہاں تک ہندوستانی سوداگروں بالخصوص میمنوں کا تعلق ہے تو تاریخ بتاتی ہے کہ نیگرو (حبشی) ان تاجروں سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوئے۔ وہ ان کی دکانوں کے اندر آجاتے تھے۔ ان کا سامان اٹھا کر دیکھ لیتے تھے۔ ان سے باتیں کرلیتے تھے اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کرلیا کرتے تھے انھیں کوئی ڈر نہیں تھا کہ دکاندار کسی بات پر ناراض ہوکر یا تو ان پر ہنٹر نکال لے گا یا گھونسے لاتیں مارنا شروع کردے گا جیسا کہ سفید فاموں کی اکثریت کیا کرتی تھی۔ غرض میمنوں نے اپنے حسن اخلاق اور اچھے برتاؤ سے افریقہ کے لوگوں کے دلوں میں بھی جگہ بنائی تھی اور اس سرزمین پر بھی اپنے قدم جمادیے تھے۔

ماخوذ کتاب: نصر پوریا میمن جہاں گردی اور برادری، ثقافت اور روایات پر اس کے اثرات

چند میمن خواتین کے عملی تجربے۔ بشکریہ: جناب حاجی قاسم عباس کالاواڈ والا ممتاز سماجی شخصیت

مطبوعہ: دسمبر 2004ء۔ کینیڈا

صفائی نصف ایمان ہے

صاف ستھرا ماحول اک نعمت انمول!!

اپنے گھر، گلی، محلے اور شہر کو صاف ستھرا رکھیے

☆ کوڑا کرکٹ باہر گلی میں نہ پھینکیں

☆ درختوں اور پودوں کو نقصان نہ پہنچائیں

☆ عمارتی سامان اور ملبہ سرعام نہ ڈالیں

☆ راستے میں گندگی اور غلاظت نہ پھیلائیں

Dustbin

جماعت کی خدمت کا جذبہ۔ اعتماد کا باہمی رشتہ

پندرہ روزہ میمن ویلفیئر گجراتی بمبئی سے مطبوعہ چار قسطوں کا ترجمہ

کاٹھیاواڑ میں میمن شادیاں

تحقیق و تحریر : جناب ابراہیم سی مومل، ممتاز مورخ تاریخ و ثقافت

گجراتی سے ترجمہ : کھتری عصمت علی پٹیل، سینئر قلمکار اور مورخ و محقق

Ebrahim C. Moomal

"End Of The Road" وہ کتاب ہے جس کے مصنف کا نام جناب ابراہیم سی مومل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب الکل پچو اور فضول ماضی کے خیالات اور افکار پر مبنی ہے۔ مومل صاحب ایک میمن بزنس مین اور دانشور ہیں جو رانا داوڈ سے ہجرت کر کے جنوبی افریقہ آئے تھے اور یہیں مستقلاً آباد ہو گئے۔

یہ کتاب 1996ء میں پری ٹوریا سے شائع ہوئی تھی۔ یہ ایک دلچسپ کتاب ہے جو نہایت دلچسپ اقساط، مشاہدات اور تاثرات پر مبنی ہے جو مصنف نے جنوبی افریقہ میں زندگی کے بارے میں تحریر کئے ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں منی بیگم کی کچھ غزلیں اور گیت بھی شامل کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں چترا اور جگجیت سنگھ کے گائے ہوئے پرانے فلمی گیت بھی رومن طرز تحریر میں دیئے گئے ہیں جن کے آسان اور واضح انگریزی اور گجراتی میں ترجمے بھی کئے گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ قارئین ان سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔ (مترجم)

اگر آپ تاریخ کے کھنڈرات میں گہرائی تک تلاش و جستجو کریں اور اپنے ذہن کے دور دراز گوشوں کو کھولیں تو آپ کے سامنے بے شمار چیزیں منظر عام پر آجائیں گی جنہیں آپ محفوظ کر لیں گے اور یہ وہ معلوماتی خزانہ ہے جو آپ کو ادھر ادھر سے نہیں مل سکتا اور نہ ہی یہ معلومات تاریخی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ یہ وہ معلومات ہیں جو نہ صرف عصر حاضر کے لوگوں کے کام آئیں گی بلکہ آنے والی نوجوان نسل کے لئے بھی بے حد مفید ثابت ہوں گی۔ ہمارا خیال ہے کہ 1925ء کے لگ بھگ رانا داوڈ نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں زندگی کا آغاز ہوا۔ یہ گاؤں پوربندر کی بندرگاہ سے کم و بیش 18 کلومیٹر دور تھا۔ یہ بھارت کے مغربی ساحل پر واقع تھا۔ یہ کاٹھیاواڑ کے صوبے میں ہے، اس کو بعض اوقات ریاست گجرات میں سوراشٹر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اس گاؤں میں خوشحالی آنے سے پہلے اس میں اور اس کے آس پاس کے دیہات میں ایک غیر معمولی قسم کی زندگی رائج تھی۔ اس میں خاندانی جاگیریں تھیں جہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے اور یہ گاؤں علاقوں میں منقسم تھے جن کے درمیان رقابت بھی موجود تھی۔ مثال کے طور پر

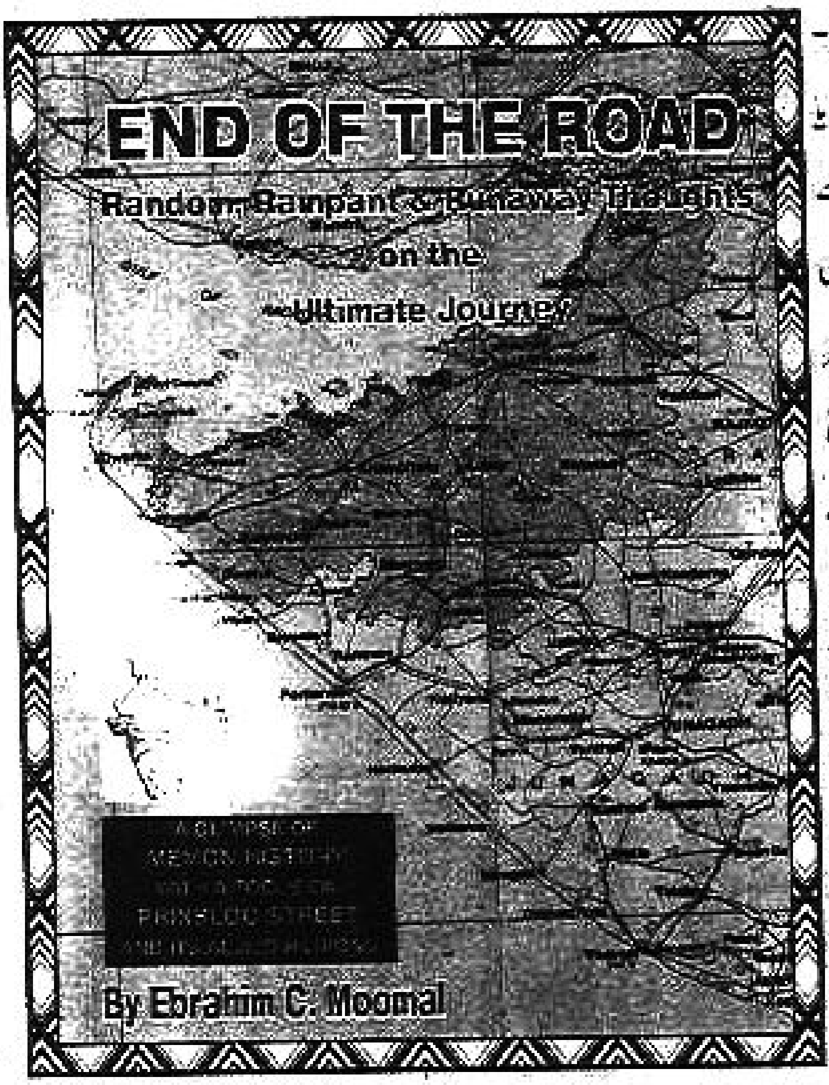

بھنوونامی چھوٹا گاؤں پانچ الگ الگ علاقوں میں منقسم تھا جو یہ تھے۔ ہوتوسرو، چلوپاڑو، ناکیوپاڑو اور نوی مسجد۔ راناباؤ بھی درج ذیل قبیلوں یا برادریوں میں منقسم تھا: شیوانی، عیسانی، موئڈا، مانڈھائی اور چند دوسرے چھوٹے قبیلے یا برادریاں۔ جوڑیاں کا اپنا ساموکا تھا اور پوربندر تھا۔ اس کی پنجاتری ''ہی آری'' اور ''ہوآری'' سوریاواد میں تھی۔ ان میں سے ہر علاقے میں ایک مسجد تھی۔ لہٰذا ان چھوٹے چھوٹے دیہات میں چار پانچ مسجدیں تھیں۔ بہرحال یہ تقسیم در تقسیم اس وقت غائب ہوگئی جب اس علاقے میں ایڈونچر کا ریلا آیا اور اس کے لوگوں نے دور دراز علاقوں میں جاکر محنت مزدوری کی اور دیار غیر سے اپنے اہل خاندان کے لئے روپیہ پیسہ بھیجنا شروع کیا۔ اسے لوگوں کے لئے ان کے گاؤں ان کے لئے مستحکم ٹھکانے تھے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے سال لوٹ کے اپنے گھروں کو آتے تھے، خوب خوشیاں مناتے تھے اور غیر ملکوں سے کمائی ہوئی دولت شہروں اور قصبوں میں جاکر خرچ کرتے تھے۔ اب اس علاقے میں ہر طرح خوشی اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ اگر گاؤں میں کوئی شادی بیاہ کی تقریب ہوتی (اس علاقے میں شادیاں بڑی تعداد میں ہوا کرتی تھیں) تو سارے تاجر، سوداگر اور ہنرمند اس گاؤں میں پہنچ جاتے اور دلہن کے گھر کے آس پاس ڈیرے ڈال دیتے۔ ان میں درزی، جیولرز، موچی، بڑھئی، قصائی، اناج کے سوداگر، شامیانے بنانے والے، نان بائی، حلوائی (مٹھائیاں تیار کرنے والے) اور دستکار شامل تھے۔ شادی بیاہ کی تقریبات ہفتوں جاری رہتی تھیں۔ علیحدہ علیحدہ تقاریب کے لئے الگ الگ شامیں اور راتیں مقرر تھیں۔ ایک رات واعظ کے لئے مخصوص تھی جس میں کوئی مذہبی بڑا عالم خطبہ دیا کرتا تھا۔ یہ تقریب جائز تھی اور اس کے انعقاد کی اجازت تھی۔ دوسری تقریب ختم القرآن کی ہوا کرتی تھی، یہ بھی جائز قرار پائی تھی۔ ایک اور شب قوالیوں کے لئے مخصوص تھی جو ناجائز سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے ناجائز ہونے کا سبب اس میں استعمال ہونے والی موسیقی تھی۔ ایک رات نعت خوانی اور میلاد خوانی کی محفل کے لئے مخصوص تھی جو ناجائز سمجھی جاتی تھی۔ اس کے ناجائز ہونے کا سبب اس میں استعمال ہونے والی موسیقی تھی۔ ایک رات نعت خوانی کے محفل کے لئے مخصوص کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ گاؤں دیہات کی خواتین کے لئے کئی راتیں مخصوص کی جاتی تھیں۔ جن میں خواتین گیت گاتی تھیں، راسوڑا گاتی تھیں، ڈانڈیا راس لگاتی تھیں اور ایک شب مہندی کے لئے مخصوص تھی، یہ سب خواتین کے لئے مخصوص تھیں اور ان سب کو ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ مہندی یا حنا دلہن کو سجانے سنورنے کا ذریعہ ہے۔ یہ اس کے ہاتھوں اور پیروں پر لگائی جاتی ہے۔ اب تو اس کے ایک سے ایک حسین اور نازک ڈیزائن تیار کیے جاتے ہیں جن کی مدد سے دلہن کے ہاتھوں اور پیروں کو قدرتی سرخی سے سجایا اور سنوارا جاتا ہے۔ یہ وہ رسم ہے جس میں آپ کو ہندو اور مسلم دونوں ہی ثقافتوں کا امتزاج نظر آئے گا۔

شادی کی شب ''دارجھو'' (دولہا) ایک سجے سجائے گھوڑے پر سوار ہو کر دلہن کے گھر پہنچے گا۔ وہ سر سے پیر تک دولہا کے روایتی لباس میں ملبوس ہوگا۔ اس کے جسم پر چمک دمک والا کرتا ہوگا، پگڑی ہوگی اور لباس میں آرائشی زیورات لگے ہوں گے۔ لاڈی (دلہن) بھی ایک بہترین قسم کے عروسی جوڑے میں ملبوس ہوگی جو ''ٹاسر جو آبو'' سے بنایا جاتا تھا، یہ جوڑا زرد رنگ کا ہوتا تھا جس کو زری اور بادلوں سے ٹانگ اور کاڑھ کر سجایا اور سنوارا جاتا تھا۔ دلہن کے لباس میں ''پانچ پٹے جی اجار'' ہوتی تھی، یہ ایک خوشنما رنگوں کا پٹیوں والا پاجامہ اور کھوسی (چندری کی بنی ہوئی چادر) ہوتی تھی۔ کھوسی تیز شوخ رنگ زردی گوٹے اور ٹھپے کناری والی اوڑھنی سمجھ لیجیے جو شیفون کے کپڑے کی ہوتی تھی۔ حالانکہ دلہن کا وہ لمبا جوڑا عروسی لباس اب داستان ماضی بن چکا ہے مگر یہ کھوسی یا اوڑھنی (چندری) آج بھی رائج ہے اور بہت سی شادیوں میں نظر آجاتی ہے حالانکہ اب تو دلہن کا مغربی سفید لباس ہی ہر جگہ چل رہا ہے۔

بہر حال دلہن کا مذکورہ بالا عروسی لباس میں شادی کی رات دولہا کے کمرے میں پہنچایا جاتا ہے اور وہ حجلہ عروسی میں دولہا کی آمد کا انتظار کرتی ہے۔ دلہن زیر لب یہ بڑبڑاتی ہے ''میری ''نہ'' کو نہ، نہ سمجھو''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری ''ہاں'' کو ''نہیں'' مت سمجھو بلکہ میری ہر ''نہ'' کو ''ہاں ہی سمجھو''۔ اس کے بعد وہ گھونگھٹ (گھوگٹو) نکال کر ایک کونے میں بٹھا دی جاتی ہے۔

گھونگھٹ (گھوگٹو) بھی ایک طرح کی اسکارف ہی ہے جو کھوسی (اسکارف) پر ہوتا ہے، اس کے بارے میں یہ ہے کہ دولہا اس گھونگھٹ کو اٹھاتا ہے جبکہ دلہن اس کے خلاف مزاحمت کرتی ہے اور دولہا کو گھونگھٹ نہیں ہٹانے دیتی مگر ایک ''ہاں'' کے ساتھ بار یہ اسکارف (گھونگھٹ) اٹھا جاتا ہے تو چہرہ سامنے آجاتا ہے، اس کے ساتھ ہی برف پگھل جاتی ہے۔ زیر لب بڑبڑاہٹ، میٹھی میٹھی سی شرم وحیا اور معصوم سا احتجاج اس عہد کے حقیقی زیور ہوتے تھے، یہ آج کل کے قیمتی زیورات، نگینوں اور موتیوں سے کہیں زیادہ بیش قیمت تھے۔

یاد رکھیے! یہ سب اس زمانے کی باتیں ہیں جب یا تو ارینجڈ میرج (بڑوں کی مرضی سے شادی) ہوتی تھی یا پھر پہلے سے طے ہوتی تھی جبکہ آج کے دور میں محبت کی شادیاں (لو میرج) عام ہیں، شناسائی اور دوستی کس طرح شادی کا بندھن بن جاتی ہے مگر اس رشتے میں مضبوطی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی شادیوں کا اختتام طلاق پر ہوتا ہے۔ یہاں میں نے شناسائی، دوستی یا جان پہچان کی بات کی ہے، اس کا ایک مقصد ہے۔ یہاں میں ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا چلوں۔ جب ایک مسلمان قاسم نے کاستو نام کی ایک ہندو لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ چنانچہ پورا گاؤں اس کے پیچھے لگ گیا تھا اور سب اس طرح کی بات کرتے تھے: ''کاستو! تا نے گھا گھرو کیڑو نا ہیں گمیوں، تو ایا اجار او پر موئی رہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اے کاستو! تو نے گھا گرو کیڑو (ہندو) کو پسند نہیں کیا بلکہ اس کے بجائے ایا اجار (یعنی ایک مسلمان) کو پسند کیا۔

یہ وہ واحد واقعہ تھا جو 70 سال پہلے اس گاؤں میں پیش آیا تھا اور اس جوڑے کو گاؤں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ میں نے اس کا ذکر تاریخی ریکارڈ کے لئے یہاں کیا ہے۔ آج کی نسل شاید اس واقعے سے ناواقف ہی ہوگی بلکہ اس عہد کے رواجوں اور ریتوں کا تو اس کو علم ہی نہیں ہوگا۔ ہم جب ارینجڈ میرج اور پری ارینجڈ میرج کی بات کرتے ہیں تو اس سے دوسرے لوگوں کے کانوں میں بھی گھنٹیاں بج اٹھتی ہیں، یہ گھنٹیاں ہمیں اس زریں عہد کی یاد دلاتی ہیں جو اب قصہ پارینہ بن چکا ہے اور شاید اب یہ دور ہمیں کبھی نصیب نہ ہو، یہ وہ حسین عہد تھا جب ہماری دادیاں، ہماری نانیاں، ہمارے دادا اور نانا خاندانوں پر حکومت کرتے تھے، خاندانی نظام اور اس کے نظم و نسق کو چلاتے تھے۔ ہمارے پردادا، پرنانا، پردادی اور پرنانی کے احکامات کی بجا آوری ہوتی تھی اور اس کو باعث سعادت سمجھا جاتا تھا۔ ہماری حاجیانی مائیں اور حاجی پاپا ہماری رہنمائی کرتے

تھے اور ہم ان کی شفیق چھاؤں اور ان کی محبت بھری سرپرستی میں زندگی کے دن گزارتے تھے، جب سکون امن اور اطمینان تھا اور ہر طرف بے فکری اور خوشحالی تھی۔

کاٹھیاواڑ کے میمنوں کا طرز زندگی اور رہن سہن

یہ وہ زندگی تھی جو لگن اور توجہ سے بھرپور تھی۔ یہ وہ زندگی تھی جس میں ایثار و قربانی کا اظہار ہوتا تھا، دوسروں کی خدمت اور دوسروں کی فلاح کے لئے ہمدردی نظر آتی تھی۔ یہ سادگی، محبت اور بردباری کی زندگی تھی جس میں اسلام کے تحت اصول نظر آتے تھے۔ ان اصولوں کی پاسداری نظر آتی تھی۔ یہ وہ زندگی تھی جس میں سبھی لوگوں کی ذمہ داریوں کا واضح طور پر تعین کر دیا جاتا تھا، بیوی گھریلو امور کی ذمہ دار تھی، وہ گھر کے تمام افراد کے لئے کھانا تیار کرتی تھی، گھر کے سبھی لوگوں کے میلے کپڑے دھوتی تھی اور بچوں کی دیکھ بھال کرتی تھی جبکہ اس کا شوہر گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے پیسے کما کر لاتا تھا۔ دونوں ہی (شوہر و بیوی) اپنے اپنے معاملات پر ڈسپلن اور نظم و ضبط کے قائل تھے۔ شوہر کی عزت و احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کا نام اپنی زبان سے نہیں لیتی تھی۔ کسی بھی محفل یا عام گفتگو کے دوران بیوی کے منہ سے شوہر کا نام نکل ہی نہیں سکتا تھا۔ طلاق کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے تھے، ان کے بارے میں سننے کو ملتا ہی نہیں تھا۔

بچوں کی پرورش اور نشو و نما سخت قسم کے اسلامی قوانین کے مطابق ہوتی تھی۔ بچی کی عمر ادھر بارہ برس کی ہوئی اور ادھر اسے اسکول یا مدرسے جانے سے روک دیا گیا اب اس کی تعلیم و تربیت اس کے والدین اپنے گھر پر ہی کرتے تھے۔ یا پھر کوئی استانی گھر پر آ کر اس بچی کو تعلیم دیا کرتی تھی۔ گھر سے باہر کے تمام کام مرد کرتے تھے۔ وہی گھر کا تحفظ کرتے تھے اور بیرونی کاموں کی مکمل ذمے داری انہی کے سپرد تھی۔ خواتین کو اگر باہر سے جانا ہوتا تو وہ سخت پردے (برقعے) میں ہوتی تھیں اور صرف خواتین کی محفلوں میں ہی شریک ہوتی تھیں۔ نانی اماں کی اسلامی یا چادر یا شال ان سے زیادہ دورنہ ہوتی تھی۔ ادھر انہوں نے غسل یا وضو کے لئے پانی طلب کیا اور ادھر ان کے حکم کی فوری تعلیم ہوئی نماز اور روزے اور دعائیں تو ان کو زبانی یاد ہوتی تھیں اور ہر وقت ہی ذکر الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ وہ ہاتھ جو پنگھوڑے یا پالنے کو ہلا ہلا کر بچوں کو پالتا پوستا ہے۔ وہی حکمرانی کرتا ہے بلکہ ساری دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ آپ اس زمانے کے بزرگ حاجی صاحب کی مسجد روانگی اور وہاں سے واپسی کو دیکھ کر اپنی گھڑیاں ملا سکتے تھے۔ مسجد میں نمازیوں اور بزرگوں کی خوش الحانی میں قرأت سن کر لوگوں کو وہ لطف اور مسرت محسوس ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ بعض تقریبات کا افتتاح ہی تلاوت قرآن پاک سے ہوتا تھا۔ مساجد کے امام صاحبان ممتاز مذہبی علماء ہوتے تھے۔ دو ایسے ایسے عمدہ مضمون لکھتے تھے جو باقاعدگی کے ساتھ رسالوں اور جریدوں مثلاً طیبہ، کارواں اور الف وغیرہ میں شائع ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ شریعت کے علم کے ماہر علماء دوسرے دیگر (اس زمانے میں شائع ہونے والے) رسالوں / جرائد کے لئے بھی لکھا کرتے تھے۔ بس اس طرح نہ صرف علم کی فراہمی کی کوئی حد نہ تھی بلکہ اسلامی اور شرعی قوانین کا زندگیوں میں نفاذ اور مشاہدات بھی بہت عام تھے اور اس ضمن میں خاصی سختی برتی جاتی تھی۔

سادگی، کفایت شعاری میں اعلیٰ درجے کی کفایت شعاری اور سادگی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ صرف لازمی اشیاء ہی جہیز میں دی جاتی تھیں۔ مثلاً باورچی خانے کے برتن، فرنیچر کے چند چیزیں، ایک سلائی مشین، اکثر و بیشتر زری اور بادلوں سے تیار کردہ ایک حانلو، بعض اوقات جھنڈر

(ہاتھ سے پیسنے کی چکی) اور گھنٹی بھی جہیز میں شامل ہوتی تھی۔ بعد والی چیز دراصل ایک منقش (نقش ونگار والی) چکی ہے جو گیہوں کے دانوں کو پیس کر آٹا بناتی ہے۔ یہ گرینائٹ یا گرائنڈنگ اسٹون کے دو گول اور ایک جیسے پاٹوں پر مشتمل ہوتی ہے، یہ دونوں پاٹ ایک دوسرے کے اوپر رکھے جاتے ہیں۔ ہر پاٹ 75 سینٹی میٹر قطر کا ہوتا ہے، اس کی موٹائی 8 سینٹی میٹر ہوتی ہے۔ نیچے والا پاٹ لکڑی کے ایک ٹکڑے یا فریم پر رکھا ہوتا ہے، یہ فریم قطر میں چکی کے پاٹوں سے چند سینٹی میٹر بڑا ہوتا ہے۔ اس میں پانچ سینٹی میٹر کی ابھری ہوئی نالیاں ہوتی ہیں جن میں سے آٹا باہر نکلتا ہے۔ یہ فریم چار لکڑی کے پایوں میں جڑا ہوتا ہے۔ جو 10 سینٹی میٹر لمبے ہوتے ہیں۔ نیچے والے پاٹ میں پانچ سینٹی میٹر موٹائی کا ایک دھرا بھی ہوتا ہے جو 10 سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ یہ بالکل چکی کے بیچوں بیچ فٹ ہوتا ہے۔ اوپر والے پاٹ میں ایک ہینڈل بھی لگا ہوتا ہے جو بیرونی کنارے کے قریب ہوتا ہے، اس ہینڈل کو پکڑ کر ہی چکی کو گھمایا جاتا ہے، ان دونوں پاٹوں کے درمیان موجود سوراخ میں گیہوں کے دانے ڈالے جاتے ہیں اور چکی چلاتے رہتے ہیں جس سے گیہوں پس کر آٹا بن جاتا ہے اور وہ آٹا لکڑی کے فریم کے درمیان موجود سوراخ سے نکل جاتا ہے۔ یہی آپ کی جھنڈر یا گھنٹی ہے۔ لڑکیاں اس چکی کو باری باری چلاتی ہیں اور آٹا پیستی ہیں۔

اسی طرح گاؤں کے بچے جو کھیل کھیلا کرتے تھے اس کے لئے قیمتی آلات یا اوزار درکار نہیں تھے جس طرح کہ آج کل کرکٹ اور بیس بال کے کھیلوں میں بیٹ کی ضرورت ہوتی ہے، ٹینس کے کھیل میں ریکٹ کی ضرورت ہوتی ہے، فٹ بال کے کھیل میں اصل اور عمدہ فٹبال کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی علاوہ آج کے دور میں گولف کلب یا بال Balls بھی مہنگے ہوتے ہیں مگر زمانہ قدیم میں دیہات میں سادہ کھیل کھیلے جاتے تھے مثلاً آنکھ مچولی، اندھا بھینسا وغیرہ، اور یہ وہ ماضی کے حسین کھیل تھے جن کے کھیلنے میں ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی تھی۔ پائی کیا تھی؟ پائی روپے کا 192 واں حصہ ہوتی تھی۔ (ایک روپیہ 16 آنے پر مشتمل ہوتا تھا، ہر آنے میں میں چار پیسے ہوتے تھے اور ہر پیسے میں تین پیسے ہوتے تھے لہٰذا ایک روپیہ = پیسے 192 = 3 x 4 x 16 اور ہر پائی ایک قانونی پیشکش ہوتی تھی جس کے عوض بازار سے کوئی چیز خریدی جاسکتی تھی ایک خاندان کے لئے اس زمانے میں 25 روپے ماہوار کافی ہوتے تھے، اس میں وہ گھر اپنے اخراجات پورے کرسکتا تھا، یہ اس وقت کے دو برطانوی پاؤنڈز کے برابر تھے جبکہ آج کل کے زمانے میں پاؤنڈ اسٹرلنگ کا ریٹ 50 روپے ہے۔

آج کل روپے کو اعشاری نظام میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اب ایک روپے میں 100 پیسے ہوتے ہیں۔ گویا ہماری جنوبی افریقہ کی کرنسی میں یہ دس سینٹ جمع یا تفریق ہوتے رہتے ہیں جبکہ بھارت میں آج کل ایک روپے کی یہ حیثیت ہے کہ اس سے آپ درحقیقت کچھ بھی نہیں خرید سکتے، اس سے آپ روپے کی ویلیو (قیمت یا قوت خرید) کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آج کے زمانے میں اگر آپ کسی فقیر کو ایک روپے سے کم دیں گے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کردے گا گویا کہہ رہو: "رکھو اسے اپنے پاس، مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔"

لڑکیاں اس زمانے میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں اور اپنے مخصوص کھیل ہی کھیلنا پسند کرتی تھیں جبکہ لڑکے لڑکوں میں کھیلتے تھے۔ لڑکے گلی ڈنڈا بھی بڑے ذوق و شوق سے کھیلا کرتے تھے جس کو ہم عام طور سے "گیٹیکی" کہتے ہیں، اس کے علاوہ پتنگ بازی کا کھیل ہے جو نسبتاً مہنگا ہے، اس کے لئے ہمیں سکڑے ہوئے کاغذ Crinkle Paper ڈور اور گندھے ہوئے آٹے یا لئی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس آٹے میں پسا ہوا شیشہ ملا کر اس سے ڈور کو لیپا جاتا ہے تاکہ پتنگ بازی میں مخالف کی پتنگ کاٹی جاسکے۔ بھارت کے بہت سے حصوں میں پتنگ بازی کے مقابلے ہوتے تھے۔ ان مقابلوں کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا تھا، ان میں بڑا وقت خرچ ہوتا تھا مختلف رنگوں کے کاغذات سے مختلف سائز کی پتنگیں تیار کی جاتی

تھیں، اس طرح ہر طرح کے کھیل کھیلے جاتے تھے مگر کفایت شعاری کا خیال رکھا جاتا تھا گویا پوری زندگی ہی کفایت شعاری کا عملی نمونہ نظر آتی تھی۔

مذکورہ بالا تفصیلی تحریر کی روشنی میں یہ اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام برادریوں میں شادی بیاہ کے موقع پر کس قدر شاندار، زبردست اور عظیم تقریبات منعقد کی جاتی تھیں۔ لوگ ان تقریبات اور رسم و رواج کے لیے ہی جیتے تھے، ان کے انعقاد کے لئے بے حد سخت جدوجہد کرتے تھے اور انہی کے لئے مرجایا کرتے تھے۔ وہ لوگ ان تقریبات کے لئے اپنی بساط سے آگے بڑھ جاتے تھے بلکہ انتہائی حدوں کو بھی عبور کر جاتے تھے۔ وہ لمبے چوڑے قرضے لیتے تھے، اپنے مکانوں کو گروی تک رکھ دیا کرتے تھے لیکن ان کی سب سے بڑی خواہش صرف یہ ہوتی تھی کہ شادی بیاہ کی ان تقریبات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یادگار اور ناقابل فراموش بنادیں۔ شادی بیاہ کے دعوت ناموں یا کارڈز کے اوپر اردو زبان میں یہ عبارت ضرور لکھی ہوتی تھی۔

زہے قسمت خدا نے دن دکھایا شادمانی کا — بہار آئی کھلا گلشن زندگانی کا

معنی ومطلب: اللہ تعالیٰ نے ہماری خوش قسمتی سے خوشیوں کا یہ دن ہمیں دکھایا ہے، یعنی شادی کا یہ مسرت موقع ہمیں نصیب کیا ہے۔ اب وہ موسم بہار آگیا ہے جس کے بعد حسین زندگی کا چکر چل پڑے گا۔

اس زمانے میں برادریاں اور خاندان آپس میں ایک دوسرے سے اس قدر سختی کے ساتھ ملے ہوئے تھے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہر خاندان اور ہر برادری دوسرے خاندان اور برادری کی مدد کرتا تھا اور ایک دوسرے کی خوشیوں میں بڑی فراخدلی کے ساتھ شریک ہوتے تھے مہمانوں کی فہرست کو باقاعدگی اور تواتر کے ساتھ تیار کیا جاتا تھا اور اسے اپ ڈیٹ کیا جاتا تھا۔ شادی بیاہ کی تقریبات کے علاوہ مسلم تہواروں کی تقریبات بھی ہوتی تھیں۔ ہر سال دو عیدیں "عیدالفطر" اور "عیدالاضحیٰ" ان کے علاوہ متعدد "بڑی راتیں" ہوتی تھیں۔ یہ دراصل مقدس اور بابرکت عبادت والی راتیں ہوتی تھیں۔ ان میں خیرات وصدقات بھی دیئے جاتے تھے۔ مساجد میں لوگ جمع ہوتے تھے، دعائیں مانگتے تھے، عبادت کرتے تھے، اس کے بعد صاحب حیثیت لوگ سفید لباسوں میں ملبوس مساجد کے دروازوں پر آتے۔ ان کے ہاتھوں میں مختلف پوٹلیاں ہوتی تھیں جن کو وہ اپنی چادریں بچھا کر ان پر وہ رقوم رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ سب رقوم الگ الگ مدات کی ہوتی تھیں۔ مثلاً زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ، تحفہ، نذرونیاز، عقیقہ، باریا، ختنہ، قضا صا، کفارہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام رقوم غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے ہوتی تھیں۔ اس موقع پر خاصا ہنگامہ اور شور ہوا کرتا تھا۔ لوگ بے حد خوش نظر آتے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تو صدقہ وخیرات کے حوالے سے خاصا جانا پہچانا جاتا تھا۔ اسی طرح محرم الحرام کے ابتدائی دس دن یعنی عاشورہ محرم تک کے دن سوگ ومجالس اور صدقہ وخیرات دینے کے لئے مخصوص تھے۔ اب یہ باتیں قصہ ماضی بن چکی ہیں اور صرف یادیں ہی رہ گئی ہیں۔ اب نہ وہ لوگ ہیں اور نہ وہ جوش وخروش ہے، نہ وہ جذبہ ہے اور نہ وہ خلوص ہی ہے اب تو ان سب باتوں کی مختلف یادیں اور باقیات ہیں اور اس پرانے وقدیم تاراج شدہ عمارت کے کھنڈر میں صرف نحیف ونزار روحیں ہی رہتی ہیں۔ ایک بڑی عمر کا جوڑا ایک چھوٹا کھیل کھیلا کرتا تھا جو اب فراموش ہو چکا ہے۔ یہ کھیل صرف میمن علاقوں میں ہی کھیلا جاتا تھا اور اس میں ماضی کی محبت دکھائی جاتی تھی۔ میں یہاں اپنے ہم عصروں اور آنے والی نئی نسل کے ریکارڈ اور مطالعے کے لئے اس بوڑھے جوڑے کے مکالمے لکھ رہا ہوں:

آکوڈاکو، داہین توڈاکو — داہین دو بجے، دربار دو جے

واڈی مالیو، ویلو پھوٹو — اوور، منوور، دھتورا تو پھول

ساکارسیری کھانڈنی کھجور

یہ محض الفاظ ہیں، ان کے کوئی خاص معنی نہیں ہیں۔

عیسو، موسو اور جوسو کی دلچسپ کہانی

ابھی تک تو ہم سخت مگر حقیقی زندگی کی باتیں کر رہے تھے مگر اب ذرا خیالوں کی دنیا میں چلتے ہیں۔ یہ وہ دنیا ہے جو ہمیں اکتاہٹ اور بیزاری کے حملوں سے بچاتی ہے اور ہم ایک ایسی دنیا میں سانس لینے لگتے ہیں اور اس دنیا کو آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں جو صرف خوابوں میں ہی نظر آسکتی ہے۔ خیالی یا قیاسی دنیا کا تجربہ بڑا انوکھا اور منفرد ہوتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے اگر ہم ''ایلس کے ایڈونچرز ونڈر لینڈ میں'' پر نظر ڈالیں تو ہمیں بڑا لطف آتا ہے۔ اس میں میڈ ہیٹر ہے، مارچ ہیئر ہے اور سفید خرگوش ہے، یہ بڑی دلچسپ اور انوکھے واقعات ہیں جن سے انسان کا تھکا ہوا ذہن سکون پاتا ہے اور وہ ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔

عیسائیت میں ہمیں باپ، بیٹے اور مقدس روح کی تثلیث نظر آتی ہے، اس طرح ہندومت میں برہما، وشنو اور شنکر (شیوا) ہیں، انگریزی زبان میں ٹام، ڈک اور ہیری ہیں، بالکل اسی طرح گجراتی میں ہمارے ہاں ہون، تون، انے راتا نیو ہیں، عربی زبان میں ''ھم، بکم اور عمی'' ہیں۔ ہمیں ہر کیس میں منصب ترام وریا ارباب ثلاثہ نظر آتے ہیں۔ اس طرح میمنوں کا کوئی بھی ریکارڈ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ہم اس میں عیسو، موسو اور جوسو کی کہانی کو شامل نہ کریں، یہ میمنوں کے ارباب ثلاثہ (ترام وری) ہیں۔

عیسو، موسو اور جوسو پوری دنیا میں میمنوں کے ہجوم یا جھرمٹ میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں چاہے یہ جھرمٹ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ رانا داؤ میں ایک گروہ بدنام ہو گیا تھا، انہوں نے اس میں تجرباتی طور پر کچھ آمیزش بھی کر دی، یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان انگوٹھا چوسنا شروع کر دے، احمقوں اور بے وقوفوں کے معاشرے میں ایسا ہوتا ہی ہے۔ عیسو، موسو اور جوسو نے دعویٰ کیا کہ وہ بحری جہاز کے ذریعے افریقہ جا رہے تھے کہ راستے میں طوفان آگیا اور جہاز تباہ ہو گیا، یہ تینوں کسی نہ کسی طرح بچ گئے۔ جہاز کے تختے ان کے ہاتھوں لگ گئے جن پر تیرتے ہوئے وہ ایک اجاڑ سنسان اور ویران جزیرے پر پہنچ گئے جو نہ جانے سمندر ہی میں کہاں واقع تھا۔ یہ لوگ اس دور افتادہ اور گمنام جزیرے پر کئی برسوں تک آوارہ پھرتے رہے۔

ایک روز جبکہ وہ ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے تو ان کو ایک سرخ رنگ کا مرتبان سا نظر آیا، یہ سمجھ لیجئے کہ اس کی شکل گڑھے والی بوتل کی سی تھی، اس بوتل پر ایک ڈھکن تھا اور اس پر سیل لگی ہوئی تھی۔ اس بوتل کے کارک پر ڈھیر سارا موم لگا ہوا تھا جیسا کہ عموماً بوتلوں کو سیل کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ وہ تینوں اس بوتل یا مرتبان کو اٹھا لائے اور ایک طرف بیٹھ کر اس کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ بوتل بظاہر تو خالی نظر آ رہی تھی مگر ہاتھوں میں اٹھانے سے بھاری محسوس ہو رہی تھی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح خاصی جدوجہد کے بعد انہوں نے اس بوتل کو کھول لیا، ادھر بوتل کھلی اُدھر اس میں سے سیاہ دھواں نکلا اور ایک دم اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ جب یہ دھواں ایک خاص بلندی تک پہنچ گیا تو اس نے ایک شکل اختیار کرنی شروع کر دی اور پھر اس میں سے ایک جن ظاہر ہوا۔ ہم لوگ اکثر قصے کہانیوں میں جن کے بارے میں پڑھتے ہیں، پریوں کی کہانیوں میں تو جن ایک لازمی کردار ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس جن نے ایک زوردار قہقہہ لگایا جس کو سن کر ہمارے تینوں دوست خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ جب جن کا

قہقہہ معدوم ہوا تو اس جن نے ہمارے لرزتے اور کپکپاتے ساتھیوں کو بتایا کہ مجھے ایک کمینے اور مکار جادوگر نے اس بوتل میں بند کیا تھا، میں کئی صدیوں سے اس بوتل میں قید تھا۔ اس کی بات سن کر تینوں دوست بری طرح لرزنے لگے۔ اس وقت وہ تینوں کسی جیلی فش کی طرح ریت پر پڑے ہوئے تھے۔ پھر جن نے ان تینوں سے کہا: "بہر حال میں تم تینوں کا مشکور ہوں کہ تم نے مجھے اس بوتل کی قید سے آزاد کیا، اس بوتل کے اندر تو میری طاقت کام نہیں کر سکتی تھی۔ اب چونکہ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے اور مجھے آزادی عطا کی ہے اس لئے میں تم تینوں کی ایک ایک خواہش پوری کروں گا۔ تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو، میں تمہاری خواہش کو بہر صورت پورا کروں گا۔"

ابھی جن نے اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ عیسو (عیسیٰ) فوراً بول پڑا۔ "میری خواہش یہ ہے کہ میں واپس اپنے گھر والوں کے پاس اور اپنی چھوٹی سی دکان پر پہنچ جاؤں۔"

یہ سنتے ہی جن نے کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور عیسو اس جگہ سے غائب ہوگیا "اور اب مجھے میرے کھیت کھلیان اور میرے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔" یہ بات موسو (موسیٰ) نے کہی تھی۔ جن نے اس کی بات سن کر کچھ پڑھا اور پھونک ماری جن کے ساتھ ہی موسو بھی گویا ہوا میں غائب ہوگیا۔ یقیناً اپنے کھیتوں اور کھلیانوں میں اور اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچ گیا تھا۔

اور اب باری تھی جوسو (یوسف) کی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ دنیا بھر میں جوسو کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فطرتاً عیار اور مکار ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر غلط حرکتیں کرتے ہیں۔ جوسو نے جن سے جس خواہش کا اظہار کیا تھا اس کو سن کر خود جن بھی حیرت سے اچھل پڑا۔ جوسو نے کہا: "میں کہیں جانے کا خواہش مند نہیں ہوں۔" "تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں میرے آقا؟" جن نے سوال کیا۔ "میں اپنے دونوں دوستوں کے جانے کے بعد تنہا ہو گیا ہوں، میری خواہش یہ ہے کہ میرے ان دوستوں کو واپس میرے پاس اس جزیرے پر لے آؤ۔"

جن اس کی خواہش پر حیران تو ہوا مگر اس کے پاس اس کی تکمیل کے سوا کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ چنانچہ اس نے جوسو کی خواہش پلک جھپکتے میں پوری کر دی۔ لمحے بھر میں ہی دونوں مفرور دوست عیسو اور موسو ایک بار پھر اسی ویران اور سنسان جزیرے پر جوسو کے ساتھ موجود تھے۔ وہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جب بات ان کی سمجھ میں آئی تو وہ ہکا بکا رہ گئے مگر وہ جن سے بھی تو کوئی شکوہ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ان تینوں دوستوں کی ایک ایک خواہش پوری کر کے غائب ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا، اس سارے معاملے میں جن کا کوئی قصور نہ تھا، قصور تو اس عیار و مکار دوست جوسو کا تھا۔ جوسو کے چہرے پر بڑی کمینہ توزی نظر آرہی تھی، وہ نتائج سے بے حد مطمئن بلکہ کسی حد تک مسرور تھا۔ اس کے کئی سال بعد اتفاق سے اس ویران و سنسان جزیرے کی طرف ایک بھولا بھٹکا بحری جہاز آ گیا اور اس نے ہمارے تینوں بد قسمت ساتھیوں کو اس جزیرے کی قید سے نجات دلوائی اور انہوں نے واپس آ کر اپنی یہ دلچسپی اور پراسرار کہانی سنائی۔

میمن افریقہ میں

باذوق قارئین نے محسوس کیا ہوگا کہ میں نے اس مقالے میں میمنوں کے موضوع پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور پوری توجہ اسی پر مرکوز کی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو اس ملک کی تاریخ بلکہ پوری دنیا کی ہی تاریخ بالکل مختلف ہوتی۔ میمن ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے گاندھی جی کو اس ملک (افریقہ) میں متعارف کرایا اور اس کے اس ملک میں 20 سالہ قیام کے دوران ان کو اس قابل کر دیا کہ انہوں نے ستیہ گرہ کے فلسفے میں مہارت

حاصل کی اور انہوں نے جامد اور ست مزاحمت بھی کی جس کے نتیجے میں جنوبی افریقہ میں ملکی و دیسی آبادی بھی متحرک ہوگئی اور اس کے نتیجے میں ہندوستان کی آزادی کی تحریک کا آغاز ہوگیا اور اس زمانے کی سپر پاور اور عظیم الشان برطانوی سلطنت میں دراڑیں پیدا ہوگئیں۔ 1947ء میں جب بھارت آزاد ہوگیا تو باقی برطانوی کالونیاں بھی برطانیہ کے چنگل سے نہایت آسانی کے ساتھ نکل کر آزاد ہوتی چلی گئی اور مرحلے وار یہ کام مکمل ہوگیا۔

جنوبی افریقہ میں پہلا میمن کب آیا؟ اس کے بارے میں بالکل صحیح صحیح بتانا تو مشکل ہے مگر یہ ضرور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا 1843ء کے فوراً بعد ہوا ہوگا۔ جب برطانیہ نے نٹال کو پہلے اپنی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ میمن برطانیہ کی پیروی کرتے تھے اور اپنے بزنس اور اپنی تجارت کو وسعت دینے کے لئے ہر اس جگہ پہنچ جاتے تھے جہاں برطانوی جاتے تھے۔ یہی وہ عہد تھا جب وہ مغربی ہندوستان کی بندرگاہوں اور ساحلی مقامات اور مشرقی افریقہ کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب کے ساحلوں کے درمیان بحری سفر بڑے تواتر سے کررہے تھے۔ زنجبار اور مومباسا کی بندرگاہوں سے تو واسکوڈی گاما کے زمانے سے ہی تجارت ہوا کرتی تھی۔ اس کا ریکارڈ ہماری تاریخ میں موجود ہے۔ یہ بالکل طے ہے کہ آنے والے مہاجرین کو اس سرزمین پر اتارا تو میمن یہاں پہلے سے موجود تھے۔ یہ دعویٰ ایسا ہے کہ جس کے باعث بہت سے لوگوں کی پیشانیوں پر بل پڑ سکتے ہیں کیونکہ اس ضمن میں کوئی ٹھوس یا واضح ثبوت موجود نہیں ہے البتہ چند ایک حالات یا واقعاتی شواہد ضرور ہیں جو ہم نے اوپر بیان کردیئے ہیں۔ یہ بات جناب پی ایس جوشی نے اپنی کتاب "The Tyranny of Colour" ''رنگوں کا استبداد'' میں لکھی ہے۔

1834ء کا ساحل جدید ایشیا کی تاریخ کا یادگار اور ناقابل فراموش سال ہے۔ اس سال ایشیا کے کئی لوگوں نے اپنی مادر وطن کو الوداع کہا، اپنے براعظم کو خیرباد کہا اور دور دراز غیر ملکی سرزمینوں کی طرف ہجرت کرگئے۔ ہندوستانی (انڈیا) وہ پہلی قوم تھی جس نے دنیا کو سب سے پہلے ثقافت (کلچر) کی جھلک دکھائی، ایشیا کے لوگوں میں انڈیا کے لوگ وہ پہلے لوگ تھے جنہوں نے بحری راستے سے دوسرے ملکوں کے سفر کئے۔ بہر حال یہ ہجرت انڈین کلچر یا ثقافت کے فروغ کے لئے نہ تھی، یہ خالصتاً ایک نجی اور ذاتی مشن تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ ہجرت اور نقل مکانی اقتصادی اور معاشی ہجرت کے لئے تھی۔ انڈیا کے لوگ روزی روٹی کی تلاش میں دوسرے ملک تک پہنچ رہے تھے۔ انڈیا کے محنت کش اور مزدور برٹش گیانا گئے، اس کے بعد وہاں سے وہ ٹرینی داد، جمیکا اور جنوبی افریقہ ہجرت کرگئے، اس زمانے میں وہاں میمنوں کی موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے کوئی خاص واقعہ موجود نہیں ہے البتہ ایک واقعہ ضرور ہے۔ یہ دراصل ایک سیاسی، سماجی اور اقتصادی واقعہ تھا جس میں میمن پورے طور پر شامل تھے اور یہ واقعہ ہی ان کو منظر عام پر لایا۔ 1875ء کے سال میں ایک میمن جس کا نام ابوبکر اموو تھا، اس نے جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن کی پلو رائٹ لین کی مغربی اسٹریٹ کے کونے پر اپنا بزنس شروع کیا۔ اس وقت اس علاقے میں انگریز تاجروں اور بزنس مینوں کی اکثریت تھی جو اس میمن کی موجودگی پر طیش میں آگئی۔ اس کے بعد ابوبکر اموو نے دو اور میمن تاجروں ''عبداللہ کریم حاجی آدم'' اور دوسرے ''جوسب عبدالکریم'' کے ساتھ مل کر ڈربن کی ویسٹ اسٹریٹ میں پلاٹ نمبر 427 پر دادا عبداللہ اینڈ کمپنی قائم کی۔

1890ء تک پورے ڈربن میں اس فرم کی 15 مزید شاخیں (برانچیں) کھل چکی تھیں۔ ان کے پاس اسٹیمر تھے۔ 1۔ ایس ایس کورٹ لینڈ۔ 2۔ ایس ایس نادری۔ یہ دونوں اسٹیمر انڈیا اور ڈربن کے درمیان تجارتی آمد و رفت کرتے تھے۔ انہوں نے جو اسٹور اور گودام قائم کئے تھے انہوں نے اعلیٰ درجہ کے گاہکوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی تھی۔ ان گاہکوں میں متعدد سفید فام گاہک بھی شامل تھے۔ ان گوداموں اور اسٹورز

کے بھی گاہکوں کا یہ خیال تھا کہ یہ لوگ بہت اچھے طریقے سے کام کرتے ہیں اور نہایت مناسب معاوضے کے عوض ڈھیروں اشیا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ اس کے باوجود سفید فام تاجروں کے مفادات ایسے تھے کہ وہ اپنی تجارت کو خطرے میں محسوس کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انڈین تاجروں سے مقابلہ بہت مشکل ہے چنانچہ وہ انڈین تاجروں کے دشمن بن گئے۔ اس کے بعد سفید فام تاجروں نے اس شہر کے سیاسی اور سماجی اداروں میں اپنی طاقت کو استعمال کرنا شروع کر دیا تاکہ اپنی مخالف قوت (انڈین تاجروں) کو شکست دی جا سکے اور اپنے تجارتی مفادات کا تحفظ کیا جا سکے۔ وہ اپنی سفید فام جلد کے تحفظ اور اس کے وقار کے لئے سرگرم ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں بہر صورت انڈین تاجروں پر برتری حاصل رہے کیونکہ وہ دوسرے درجے کے تاجر بن کر رہنے کو تیار نہیں تھے بلکہ ہر صورت میں تجارتی غلبہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک انڈین مخالف احتجاج شروع کر دیا تھا کہ ٹریڈ لائسنسوں کو ایک مرکزی مقام پر محصور کر دیا جائے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہو گی کہ اس شہر کے وہ تمام اہم بزنس جن کے مالک سفید فام تھے، وہ اس وقت ٹاؤن کونسل میں بھی عہدوں کے حامل تھے اور وہ اپنے کاروبار ویسٹ اسٹریٹ کے دفاتر اور تجارتی عمارتوں سے چلاتے تھے، آپ کو معلوم ہے کہ اس اسٹریٹ پر انڈین تاجروں کے اسٹور بھی تھے۔ اس اسٹریٹ پر یہ آفس بھی تھے: جارج پائنے، جے ایلس براؤن، چارلی ہین وڈ، والٹر گرین ایکرے اور جی اے چیمپئن۔

موسیٰ حاجی آدم لگ بھگ 35 سال سے بھی زائد عرصے سے ڈربن میں ہی رہائش پذیر تھے۔ ان کو بزنس اور تجارت کا لائسنس فراہم کرنے میں نظر انداز کر دیا گیا تھا بلکہ ان کو اپنا بزنس بند کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان کی اس انتظامی قصبے میں متعدد جائیدادیں بھی تھیں جو خالی پڑی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان جائیدادوں کے کرایہ داروں کو تجارت کے لائسنس نہیں دیئے گئے تھے۔ 1908ء میں اس وقت صورت حال کچھ بہتر ہوئی جب جوہانسبرگ کے ایک میمن حبیب موتانی نے سپریم کورٹ میں ایک درخواست دی اور سپریم کورٹ نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے لائسنسنگ بورڈ کے تمام فیصلوں کو مسترد کر دیا اور اس بورڈ کو ہی بے اختیار کر دیا۔ بہر حال یہ فیصلہ جو سپریم کورٹ نے سنایا تھا اس کی زندگی بھی مختصر ثابت ہوئی کیونکہ بعد میں ہونے والی قانون سازی نے اس معاملے میں سپریم کورٹ کی مداخلت ہی ختم کر دی۔ مذکورہ بالا حقائق اور واقعات بڑے مستند ہیں اور یقیناً ان کے باعث ڈربن میں میمنوں کی موجودگی ثابت ہوتی ہے، اس طرح نٹال اور جنوبی افریقہ میں بھی میمنوں کی موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے مذکورہ بالا واقعات ہی کافی ہیں۔

ہم اپنی زکوۃ کو اپنی جماعت کی معرفت غریب اور
ضرورت مند لوگوں کو دے کر صحیح سپورٹ کر سکتے ہیں

خوشگوار معاشرتی زندگی کا روشن پہلو

جوائنٹ فیملی نظام وقت کی اہم ضرورت

مشترکہ خاندانی نظام، ماضی کی ایک عمدہ روایت

تحریر: محترمہ سمیرا محمد حنیف موٹا، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ۔ ٹورنٹو (کینیڈا)

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب مشترکہ خاندانی نظام مشرقی روایات کا اہم حصہ تھا۔ یہ ایک ایسی روایت تھی، جسے توڑنے والی خواتین اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھیں، مگر آج کے ترقی یافتہ زمانے میں یہ ایک عام بات بن گئی ہے اور ہر لڑکی شادی کے فوراً بعد الگ گھر میں رہنے کا خواب دیکھنے لگتی ہے۔ اب تو شادی سے قبل جب دونوں خاندانوں کی جانب سے اہم معاملات پر بات چیت ہوتی ہے تو یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ شادی کے بعد لڑکا اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں سے علیحدہ رہے گا۔ اس قسم کی شرائط لڑکی والوں کی طرف سے رکھی جاتی ہیں۔ یہ سب باتیں کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ الگ گھر میں رہنا اچھی بات نہیں، ہمارے خیال میں الگ گھر میں رہنے کے لئے کوئی مناسب جواز ہونا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ ''اتحاد میں بڑی برکت ہوتی ہے'' ایک گھر میں چار چھ لوگ مل جل کر رہتے ہیں تو وہ مل جل کر بہت سے مسائل سے نمٹ سکتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے لوگ جب تک مشترکہ خاندانی نظام (جوائنٹ فیملی نظام) کے زیر سایہ رہتے ہیں تو زندگی ٹھیک طرح سے چلتی رہتی ہے، لیکن جوں ہی علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ رنجشیں، دوریاں اور فاصلے بہت بڑھ جاتے ہیں اور اس طرح کے ماحول میں پلتے بڑھتے والے بچوں کی نفسیات متاثر ہوتی ہے۔ گھر بھر کے سب افراد ایک ہی ہانڈی میں پکاتے اور کھاتے ہیں تو اپنائیت کی فضا قائم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس اگر ایک ہی ہانڈی پک رہی ہو، مگر ساتھ رہنے والوں میں اتحاد و خلوص نہ ہو تو پھر کیا فائدہ.....؟

مشترکہ خاندانی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے والوں کو ''صبر و برداشت'' کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ شکایتوں کی فہرست نہ تو اپنے شوہر کے سامنے رکھیں اور نہ ہی اپنی ماں بہنوں کو بتائیں، بلکہ جس سے شکایت ہو، اسی سے بات چیت کر کے دل صاف کر لیں اس طرح بچوں کے معاملے میں ''میرے بچے'' نہ کریں، بلکہ یہ سوچیں کہ جٹھانی اور دیورانی کے بچے بھی میرے ہی ہیں۔ نندوں کے بچے اگر بدتمیزی کریں تو انہیں بھی اپنے بچوں کی طرح پیار سے سمجھائیں اور اگر آپ اپنے گھر میں اس طرح کا ماحول بنانے میں کامیاب ہو گئیں تو خاندان بھر کے لوگ آپ کے گن گانے لگیں گے۔ مشترکہ خاندان میں رہنے سے فائدہ ہی ہوتا ہے، نقصان نہیں۔ البتہ اس صورت میں بھی جب آپ کی قربانیوں اور محبتوں کا صلہ نہ ملے تو پھر آپ کو الگ گھر میں رہنے کا حق حاصل ہے۔

مادیت پرستی خاندانوں کو توڑنے کا سبب بن رہی ہے۔ ہم نام ونمود کے لیے، پیسے کے لیے، ترقی کی دوڑ میں شامل ہو کر اپنے بہت سے پیارے خونی رشتوں کو فراموش کرتے جارہے ہیں، خود غرضی نے یہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ خاندان میں بھی ہم اُن سے ملنا پسند کرتے ہیں جن سے ہمیں دنیاوی فائدے کی امید ہوتی ہے۔ دور کے امیر اور دولت مند رشتے داروں کو اپنانے میں فخر اور غریب وکم مایہ رشتے داروں کو اپنا کہنے میں شرم محسوس کرتے ہیں، افسوصد افسوس۔ انسان اپنے خاندان کو کتنا بھی بھولنا چاہے، لیکن ہر دکھ سکھ میں خاندان اور خاندان والے ہی کام آتے ہیں۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر موت تک کا عرصہ اپنے خاندان کے درمیان گزارتا ہے۔ اولاد سے خاندان وجود میں آتا ہے، اولاد بڑی ہوتی ہے، ان کی شادی ہوتی ہے۔ اس طرح دو مختلف خاندان ملتے ہیں۔ نئے نئے رشتے جنم لیتے ہیں اور یوں معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ انسان کو اس دنیا میں رہنے بسنے کے لیے دوسروں کی دادرسی اور پیار و محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کبھی انسان کو اپنوں سے دور اکیلا رہنا پڑے تو اُسے خاندان کی اہمیت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ خاندان کے تمام افراد ایک زنجیر کی صورت میں جڑے ہوتے ہیں۔

ان رشتوں میں جتنا پیار، اپنائیت، خلوص و محبت ہوگی، یہ زنجیر اُتنی ہی مضبوط ہوگی اور اس پیار، اپنائیت، خلوص و محبت کو پانے کے لیے دوسروں کو بھی یہی سب دینا پڑتا ہے۔ خاندان کو اس چھتر کی طرح سنبھالنا بھی پڑتا ہے، جسے گھر سے لے نکلیں تو وہ ایک بوجھ معلوم ہوتی ہے، لیکن اچانک دھواں دھار بارش برسنے کی صورت میں وہی بوجھ نعمت بن جاتا ہے، الکل اسی طرح خاندان کے رسم ورواج ملنا ملانا، خوشی و غمی میں شرکت جیسے روابط رکھنا بھی نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن انہی روابط کا بوجھ اپنے دکھ سکھ کے موقع پر ایک نعمت لگنے لگتا ہے، دوسروں کی خوشی میں شریک ہو ناغموں میں ساتھ دینا، رسم ورواج کو نہ ماننے کے باوجود ان میں شرکت کرنا، ایک دوسرے کے تحفے تحائف دینا، دعوتیں کرنا، مزاج پُرسی کو جانا یہ سب خاندانی روابط کا حصہ ہیں اور ہر مشکل گھڑی میں یہی روابط کام آتے ہیں۔ صلہ رحمی اور ہمدردی کرنے والوں کو خاندان میں لوگ عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ والدین اور قرابت داروں سے نیک سلوک کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور حقوق العباد کے ذریعے فرائض مقرر کیے ہیں، تاکہ آپس کے جھگڑوں اور رنجشوں سے بچتے ہوئے خاندانی نظام کو مضبوط کیا جاسکے۔ گھر میں سکون اور اطمینان اُسی صورت میں قائم ہوتا ہے۔ جب خاندان کے لوگوں کو ایک دوسرے سے تعلقات خوش گوار ہوتے ہیں۔ جو رشتہ جتنا قریبی ہے، اُس کے ساتھ اُتنا ہی قریب ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

خاندان کو مضبوط بنانے میں خاندان کی عورت کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ عورت خاندان کو ایک اکائی بنانے میں اور ایک دوسرے کو جوڑ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ خاتون خانہ اگر چاہے تو اپنی سمجھداری سے خاندان کی زنجیر کی کڑیوں کو اتنا مضبوط بنا سکتی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے جھٹکے سے بھی نہ ٹوٹیں اور یہی عورت اگر چاہے تو اپنی چالاکی و عیاری سے اس زنجیر کی ایک ایک کڑی کو بکھیر سکتی ہے۔ گھر کے اندر عورت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ مرد کی دنیا گھر کے باہر کی ہوتی ہے۔ رشتے داریاں نباہنا، رشتوں کی نزاکتوں کو سمجھنا، ان کے تقاضوں کو نباہنا، ملنا ملانا یہ سب خواتین کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ اسی لیے انسانی رشتوں کی اہمیت خواتین سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔

خاتون مرد کے مقابلے میں فطرتاً حساس اور نرم دل ہوتی ہے، لہٰذا بہتر طریقے سے ان ذمے داریوں سے نبرد آزما ہوتی ہے، خاص طور پر بیٹی، بیوی اور ماں کے روپ میں خاندان کو آپس میں ملا کر رکھنے کا فرض احسن طریقے سے ادا کرتی ہے۔ ایک ماں اگر بچپن ہی سے اپنی اولاد کو باہمی پیار و محبت، مل جل کر ساتھ رہنے اور بزرگوں کے احترام کی تربیت دے تو وہ ساری عمر کام آتی ہے۔ گھر کی ماں اگر بزرگ ہو اور وہ ماں ہونے کے

ساتھ ساتھ ساس، نانی اور دادی کی صورت میں خاندان کی سربراہ بھی ہو، تو خاندان کو اکٹھا رکھنے کی بھاری ذمے داری بھی اس پر عائد ہوتی ہے۔

بزرگوں کا فرض ہوتا ہے کہ جہاں بگاڑ ہو، وہاں اصلاح کریں، سب کے مسائل، شکایات ہم دردی سے سنیں اور ان شکایات و مسائل، ظلم و زیادتیوں کو اس طرح دور کریں کہ بات بڑھنے کے بجائے ختم ہو جائے۔ اختلافات کہاں نہیں ہوتے، لیکن اختلافات کے باوجود باہمی احترام، درگزر، بُردباری اور رواداری سے کام لیا جائے تو مسائل آسانی سے حل ہو جاتے ہیں اور گھر کا ایک سمجھ دار بزرگ سربراہ خاتون یہ کام با آسانی انجام دے سکتی ہیں۔ اسی طرح بیٹی کے روپ میں بھی عورت خاندان کے افراد کے درمیان پیار و محبت بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ بیٹیاں اور بیٹوں کے مقابلے میں نانا، نانی، دادی، دادا، چچا، ماموں اور خالہ، پھوپی سے محبت زیادہ کرتی ہیں اور اپنی امن پسند، مصلحت پسند طبیعت کے سبب خاندان کو بہت سے جھگڑوں سے دور رکھتی ہیں، یہی بیٹی جب بڑی ہوتی ہے تو بیوی کے روپ میں ایک نئے خاندان میں شامل ہو کر نئی زندگی میں قدم رکھتی ہے اور دو مختلف خاندانوں کے درمیان پُل کا کام دیتی ہے، ایسے میں سمجھ دار عورت اپنی فہم و فراست سے دو خاندانوں کو ایک کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اپنی محبت و اطاعت کی عادت سے سسرال والوں کا دل جیت سکتی ہے۔ شوہر کے خاندان کو اپنا بنا سکتی ہے۔ ایک خاندان رشتوں کا مان اور محبتوں کا ایثار پا کر ہی مضبوط ہوتا ہے، تنہا آدمی کچھ نہیں ہوتا، زندگی کے خوب صورت میلے کی رونق انسانوں سے بڑھتی ہے بچوں کو با ادب بنائیں، رشتوں ناتوں کی اہمیت سے آگاہ کریں، پُرسکون زندگی گزارنے کے لیے رشتے داروں، عزیزوں اور اقربا کا ساتھ بہت ضروری ہوتا ہے۔ اپنوں کا نہ ہونا اتنی تکلیف نہیں دیتا، جتنا کہ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی ملنے ملانے سے آنکھ چرانا تکلیف دیتا ہے۔ جو کچھ ہم گنوا چکے، سو گنوا چکے، ابھی بھی بچانے کو بہت کچھ ہے۔ ہمارا ہر دن ہمارے خاندان (فیملی) اور اس کے پیارے پیارے رشتوں کے لیے ہونا چاہیے تاکہ ہمیں سال کے ایک مخصوص دن کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

بچیوں کے پیغامِ نکاح کے لئے

بچیاں خود پڑھیں روزانہ پاکی کے ایام میں، باوضو ایک بار کسی بھی وقت گھر کے دیگر افراد پڑھیں۔ تو دعا میں بچی کا نام لے کر دعا کریں۔

① اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ○ ——— گیارہ بار

② وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا ○ ——— گیارہ بار

③ درود شریف جو نمبر ایک پر ہے ——— گیارہ بار

④ یَا جَوَّادُ یَا وَاجِدُ یَا مَاجِدُ ——— تین بار

⑤ اے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے مجھے نیک اور صالح رشتہ عطا فرما۔ آمین ——— تین بار

⑥ درود شریف جو نمبر ایک پر ہے ——— صرف ایک بار

یہ دل، دماغ، احساس، جذبات عمل حتیٰ کہ روح کو بھی متاثر کرتے ہیں

کامیابی عطا کرنے والے الفاظ

تحریر: جناب محمد بشیر ایم فرید میمن

M. Bashir M. Fareed Memon

برصغیر کی تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ تحریک پاکستان ایک جذبہ اور جنون کی داستان ہے۔ اس جذبے کو پیدا کرنے میں ہمارے قومی ہیروز اور لیڈرز کا بہت بڑا ہاتھ تھا، لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کہ وہ تاریخی جملے اور نعرے جو ہمارے لیڈرز بولتے رہے، انہوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ ''لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان'' کا نعرہ برصغیر کے مسلمانوں کے خون میں ولولہ پیدا کر دیتا تھا۔ جب چوہدری رحمت علی نے Now or Never کا تصور دیا تو ہر مسلمان یہ تقاضا کرنے لگا کہ پاکستان یا تو اب چاہیے یا کبھی نہیں۔ اس قسم کے الفاظ نے نہ صرف مسلمانوں کے خون میں جوش پیدا کیا بلکہ انہیں عظیم قربانیاں دینے پر اکسایا۔ وہ لوگ ان ہی نعروں اور جذبوں کے زیر اثر اپنا گھر بار اور سب کچھ لٹا کر پاکستان چلے آئے۔

بولے جانے اور سنے جانے والے الفاظ انسان کی زندگی کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ الفاظ احساس، جذبات، جسم، دل و دماغ، حتیٰ کہ روح کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ الفاظ اتنی طاقت کے حامل ہوتے ہیں کہ مقررین اور لیڈرز لفظوں کے استعمال سے لوگوں کو پرجوش کرتے ہیں اور وہ ملک و قوم کے اجتماعی فائدوں کے لئے جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ منفی عزائم والے مقرر لفظوں کو نفرت اور تخریب کاری کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم اپنی زبان سے بولے جانے والے الفاظ کو لاشعوری طور پر منتخب کرتے ہیں، اس لیے زندگی میں نتائج ہماری مرضی کے نہیں ہوتے۔ ہم زیادہ تر وہی الفاظ بولتے ہیں، جو ہم اپنے اردگرد کے ماحول سے سنتے ہیں۔ ہمارے جذبات واحساسات بھی عموماً وہی ہوتے ہیں، جو ہمارے دوستوں اور ساتھیوں کے ہوتے ہیں۔ غیر معمولی کامیابی کے لئے غیر معمولی جذبہ درکار ہوتا ہے اور اس کے لئے زبردست اور انقلابی الفاظ کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔

میدان جنگ میں کوئی مجاہد بغیر ہتھیار کے نظر نہیں آتا، کیوں کہ ہتھیار کی مدد سے وہ اپنے دشمن کو پسپا کرتا ہے اور خود کو بھی بچاتا ہے۔ زندگی کی جنگ میں الفاظ ہتھیار سے کم نہیں ہوتے اور ان کی طاقت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ فقط بولے جانے والے الفاظ کی تبدیلی سے ہم احساس کو بدل سکتے ہیں۔ احساس کو بدل کر سوچنے کے انداز کو بدلا جا سکتا ہے۔ سوچنے کا انداز رویے کو بدل دیتا ہے اور رویہ زندگی کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ انسان زندگی کے مختلف تجربات الفاظ کی مدد سے بیان کرتا ہے، یعنی اظہار کا ذریعہ الفاظ ہیں۔ آپ ذریعے (الفاظ) کو شعوری طور پر بدل

کرزبردست نتائج حاصل کرسکتے ہیں، مثلاً آپ کو کسی نے بہت برا بھلا کہا، آپ کو غصہ آرہا ہے تو یہ کہنے کے بجائے کہ مجھے غصہ آرہا ہے۔ یہ کہیں کہ ”مجھے اچھا محسوس نہیں ہورہا“ یا ”مجھے تھوڑا سا غصہ آرہا ہے“ اس طرح آپ کے جذبات بدل جائیں گے۔

کامیاب لوگ الفاظ کو عمدہ طریقے سے استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ منتخب الفاظ کا استعمال ہی بامقصد نتائج تک پہنچاسکتا ہے۔ غیر ضروری احساسات آپ کے سفر میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اس لئے ان کے متعلق الفاظ کو استعمال کرنے سے گریز کیا جائے۔ نفرت اور مایوسی کے اظہار کے لئے لوگ بہت خطرناک الفاظ استعمال کرتے ہیں، جوان کی زندگی کو تباہ کرکے رکھ دیتے ہیں۔ ان الفاظ کو بہتر الفاظ سے بدلا جاسکتا ہے۔ ”میں بہت پریشان ہوں۔“ ”میں تھوڑا سا پریشان ہوں“۔ ”میں خوش نہیں ہوں“۔ یہ تینوں فقرے بظاہر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں، لیکن تینوں الگ الگ احساس پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے منفی کیفیت کے وقت زبان سے بولے جانے والے الفاظ کو شعوری طور پر منتخب کریں۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے ”جو اپنی مصیبت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے، خدا اس کی مشکل کو دور نہیں کرتا۔“

ہمارے لوگ بہت جذباتی اور حساس ہیں۔ چھوٹی سی بات پر قتل وغارت کی نوبت آجاتی ہے۔ یہ بھی الفاظ کے ساتھ جڑے احساس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی غصے میں آپ کو کسی جانور کا بچہ کہتا ہے تو عموماً ننانوے فیصد لوگوں کو شدید غصہ آجائے گا۔ لیکن اس واقعے کو اگر حقیقت کی بنیاد پر پرکھیں تو آپ انسان کے بچے ہیں، کسی جانور کے بچے نہیں ہیں۔ آپ کو تو اس شخص کی عقل پر شک کرنا چاہیے، لیکن گالی سنتے ہی لوگ الفاظ کو برے احساس میں بدلتے ہیں اور برا احساس انہیں ایک برے رویے تک لے جاتا ہے جو شاید کسی جانور کے بچے کے پاس نہیں ہوتا۔

جب آپ کہتے ہیں کہ آپ پریشان ہیں تو نفسیاتی طور پر پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ پریشانی حل کرنے کی طاقت آپ میں ختم ہوجاتی ہے اور مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ دنیا کے زیادہ تر لوگ پریشانی کو اپنے اوپر حاوی کرلیتے ہیں۔ بہت کم لوگ پریشان ہوئے بغیر حل پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں اور آخرکار حل پالیتے ہیں۔ کیونکہ جو نہیں بدل سکتا، اس کے متعلق سوچنا بے کار ہے، ہمیں اس بارے میں سوچنا چاہیے جو ہم بدل سکتے ہیں۔ اس لئے پریشانی کے لفظ کو بدل دیجئے، کیوں کہ یہ ہر معاملے پر قابو پانے کی صلاحیت کھودیتا ہے۔ پریشانی میں جذبات کو بیان کرنے کے لئے کہیں کہ ”یہ چیلنج یا آزمائش مجھے قبول ہے“ یا یہ کہیں کہ ”اس مسئلے کا حل مجھے لازماً چاہیے، اس لیے میں بہتر محسوس نہیں کررہا ہوں۔“

زندگی میں منفی جذبات کے حوالے سے بولے جانے والے الفاظ اپنے ذہن کی لغت سے نکال پھینکیے۔ عمل پر راغب کرنے والے اور ہمت بڑھانے والے الفاظ استعمال کریں۔ یہ بتانے کے بجائے کہ مجھے کیا اچھا نہیں لگتا، یہ بتائیں کہ مجھے کیا اچھا لگتا ہے۔ لفظوں کی قوت سے آگاہ ہوئے بغیر انسان کے جذبات کو سمجھنا ناممکن ہے۔ اپنے تجربات کو خوب صورت الفاظ سے سجائیں، آپ کی زندگی بدل جائے گی۔ جب کوئی حال پوچھے تو یہ کہنے کے بجائے کہ ”میں ٹھیک ہوں“ یہ کہیں کہ ”میں بہت بہتر ہوں“ یا ”میں بہت زبردست محسوس کررہا ہوں“۔ کوئی کسی بہتر تجربے کے متعلق پوچھے تو صرف بہتر نہ کہیں بلکہ کہیں کہ ”یہ بہت خوب تھا“ یا ”یہ بہت اعلیٰ تھا“۔ ہمت کو کم کرنے والے اور بے کار جذبوں سے منسلک الفاظ کو زندگی سے نکال دیجئے۔ یہ آپ کی شخصیت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ برے جذبات کی شدت کو الفاظ کی قوت سے بڑھادیں۔ اس سے آپ میں خود اعتمادی پیدا ہوگی۔ دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کی زندگی میں خوب صورت لفظوں کا اثاثہ کم ہوتا ہے، وہ لفظ بولنے سے پہلے ہی اپنے جذبات کو عمل میں بدلنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو نقصان اور اذیت پہنچانے میں دیر نہیں لگاتے۔ انہیں مجرم بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس لیے اپنی یادداشت میں خوب صورتی، بہادری، جواں مردی اور ہمت پیدا کرنے والے الفاظ کا ذخیرہ کریں کیونکہ ان الفاظ کی ادائیگی آپ کو زبردست جذبات

سے آشنا کروا کر آپ کی تقدیر بدل دے گی۔ دوسروں کو اچھے الفاظ یا اچھے ناموں سے پکاریں۔ اپنے ادارے میں کام کرنے والے تمام افراد کو جناب، محترم اور سر کہہ کر مخاطب کریں کیونکہ جو فقرے آپ دوسروں کی نذر کرتے ہیں، وہی آپ کے لئے بولے جاتے ہیں۔ عزت کا جواب عزت سے ملتا ہے۔ اپنے چپراسی کو بھی صاحب کہہ کر بلائیں۔ وہ بھی آپ کو دل وجان سے "صاحب" کے درجے پر فائز کردے گا۔

ہمارا ذہن ہر اس شے سے محبت کرتا ہے، جو ہمیں اذیت سے نکالتی ہے اور خوشی عطا کرتی ہے۔ آپ بھی ان الفاظ سے محبت کریں جو آپ کو خوشی دیتے ہیں۔ یقیناً آپ کی زندگی شاندار ہو جائے گی۔ آج ہی اپنے دس منفی احساس میں بولے جانے والے الفاظ تلاش کریں اور ان کی جگہ مثبت وجوش دلانے والے الفاظ شامل کرلیں۔ اس سے آپ اپنی زندگی کو کامیاب ترین بنانے کے راستے پر گامزن ہو جائیں گے۔

بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی

صنعت کار، تاجر اور بے روزگار حضرات متوجہ ہوں

ملازم کی ضرورت ہے یا ملازمت کی ہم سے رجوع کریں

ایمپلائمنٹ بیورو بانٹوا میمن جماعت (رجسٹرڈ) کراچی کا ایک ایسا شعبہ ہے جو تمام میمن برادریوں اور اداروں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے گزشتہ 68 سالوں سے بلامعاوضہ اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہمارے اس شعبہ کی کوششوں سے ہر ماہ کئی بے روزگاروں کی روزی (جاب) کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ اس وقت ملک کے معاشی حالات بے حد خراب ہیں اور ملک میں بے روزگاروں کی تعداد بھی بے حد بڑھ رہی ہے۔ اس وجہ سے اس شعبے پر خاصا بوجھ ہے اور خاصی درخواستیں آرہی ہیں۔

اس ضمن میں میمن برادری کے اور دیگر کاروباری اداروں کے مالکان سے التماس ہے کہ اگر انھیں اپنی دکان، فیکٹری، ملز، آفس یا دیگر کسی بھی کاروباری شعبے میں کسی قابل اور باصلاحیت اسٹاف کی ضرورت ہو تو وہ بانٹوا میمن جماعت کے دفتر "شعبہ فراہمی روزگار" سے رابطہ کریں۔ میمن برادری کے وہ افراد بھی جو بے روزگار ہیں اور روزگار کی تلاش میں ہیں وہ ان تعطیل کے دن کے علاوہ شام 4 بجے سے شب 8 بجے کے درمیان جماعت کے آفس میں آکر اپنی سی وی (CV) اور جماعت کا کارڈ، سی این آئی سی (CNIC) کارڈ، جماعت کے نام درخواست معہ دو تصاویر (فوٹو) ساتھ جمع کراسکتے ہیں۔

تعاون کے طلب گار

محمد منظور ایم عباس میمن
کنوینر ایمپلائمنٹ بیورو کمیٹی

رابطہ موبائل: **0333-3163170**

ای میل: **bantvaemploymentbureau@yahoo.com**

پتہ: بانٹوا میمن جماعت خانہ ملحقہ حور بائی حاجیانی اسکول، یعقوب خان روڈ، نزد راجہ مینشن کراچی

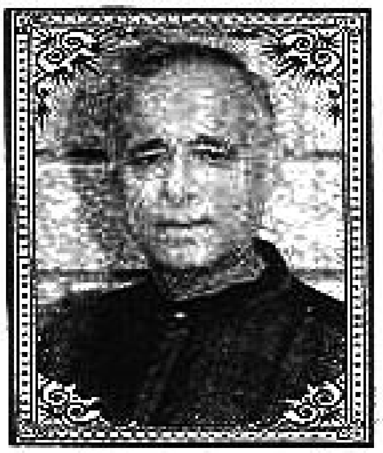

پائندہ میمن

کلام :عبدالجبار خمیسانی (مرحوم)

زندہ، پائندہ، تابندہ
زندہ ہے، زندہ رہے گا میمن
غنچوں کی چٹک پھولوں کی پھبن
واری کردو تن من دھن
کہتی ہیں سنو مرغان چمن
پھر دیکھو بہاروں کا مسکن
کلیوں سے بھرے دامن دامن
خوشبو میں بسے آنگن آنگن
زندہ ہے، زندہ رہے گا میمن
پائندہ میمن، تابندہ میمن

بشکریہ : مجلہ دی میمن 1986ء

شائع کردہ : یونائیٹڈ میمن جماعت آف پاکستان

یہ واقعہ ہے!

1- ریچھ سردیوں کا سارا موسم سو کر گزار دیتا ہے۔

2- بیور (Beaver) ایک ایسا جانور ہے جو جنگل کے بڑے بڑے درختوں کو دانتوں سے کاٹ کر گرا دیتا ہے۔

3- پیما جو چوہے کے برابر ہوتا ہے۔ ساٹھ فیٹ کی بلندی سے نیچے کود جاتا ہے اور بیس فیٹ تک نیچے سے اوپر اچھل سکتا ہے۔

4- امریکی چھچھوندر جو مکھی کے برابر ہوتی اور اسے چھوٹے بچے دیتی ہے کہ تقریباً چودہ بچے انگلی کے پہلے حصے پر آسانی سے سمائے جا سکتے ہیں۔

1

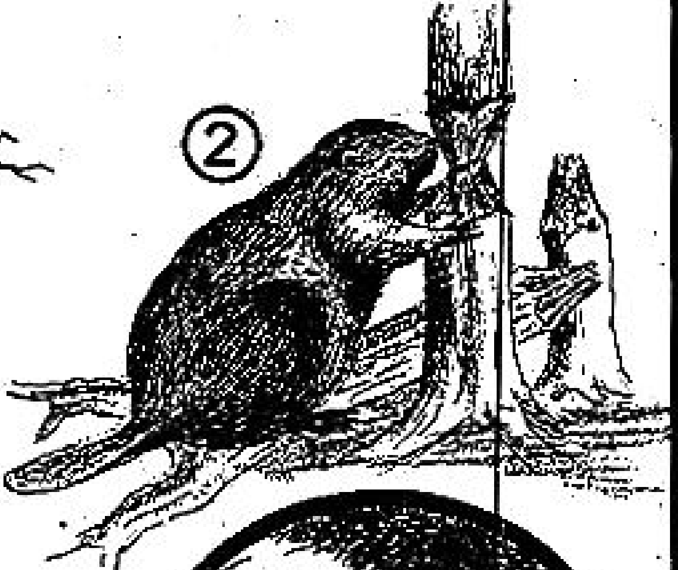

2

3

4

خوش ذائقہ، لذیذ ذائقے دار ہمارے گھروں کی ہانڈی

میمنی، کاٹھیاواڑی اور گجراتی پکوان

بمبئی اور کراچی کے گجراتی رسائل سے ترجمہ

میمنی مصالحے والے آلو

اجزاء: آلو (ابلے اور کٹے ہوئے) ایک کلو، ہری پیاز (باریک کٹی ہوئی) چار عدد، ثابت ہری مرچیں چار عدد، ٹماٹر (چھوٹے چوکور کٹے ہوئے) ڈھائی سو گرام، پیاز (باریک کٹی ہوئی) دو عدد، کٹی ہوئی لال مرچ ایک چائے کا چمچ، انار دانہ ایک کھانے کا چمچ، پسی ہوئی ہلدی آدھا چائے کا چمچ، ثابت سفید زیرہ ایک چائے کا چمچ، سوکھی گول لال مرچیں چار عدد، ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) آدھی گڈی، کڑی پتے چار عدد، نمک ایک چائے کا چمچ، تیل آدھی پیالی۔

ترکیب: دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز بادامی کریں، اس میں ٹماٹر، کڑی پتے، کٹی اور سوکھی لال مرچیں، ہلدی، زیرہ اور نمک ملا کر بھونیں پھر آلو اور انار دانہ ڈال کر پانچ منٹ تک پکائیں۔ اس میں ہرا دھنیا، ہری مرچیں اور ہری پیاز ملا کر ڈش میں نکال لیں۔

کاٹھیاواڑی مٹن سینہ مصالحہ

اجزاء: بکرے کا سینہ (بوٹیاں) آدھا کلو، دہی (پھینٹی ہوئی) ایک پیالی، ٹماٹر (باریک کٹا ہوا) چار عدد، لونگیں پانچ عدد، دارچینی دو ڈنڈیاں، چھوٹی الائچیاں پانچ عدد، کٹا ہوا سفید زیرہ آدھا چائے کا چمچ، کٹی ہوئی کالی مرچ ایک چائے کا چمچ، لہسن ادرک (چوپ کیا ہوا) ایک کھانے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، تیل چار کھانے کے چمچے، ہرا دھنیا ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی) سجانے کے لئے۔

ہرے مصالحے کے اجزاء: پسا ہوا کچا پپیتا دو کھانے کے چمچے، ہری مرچیں تین عدد، ہرا دھنیا آدھی گڈی۔

ترکیب: بلینڈر میں ہرے مصالحے کے اجزاء یکجان کرکے گوشت پر لگائیں اور ایک گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے دارچینی، الائچیاں اور لونگیں خوشبو آنے تک بھونیں، پھر ٹماٹر کے علاوہ باقی اجزاء ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں۔ اس میں ٹماٹر ڈالیں اور تیز آنچ پر پانچ منٹ تک بھوننے کے بعد ڈش میں نکال لیں۔ مزیدار سینہ مصالحہ ہرے دھنیے اور ہری مرچوں سے سجا کر پیش کریں۔

بمبئی سفید قورمہ

اجزاء: چکن ایک کلو، دہی آدھا کپ، بادام کا پیسٹ آدھا کپ، کریم آدھا کپ، گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچ، جائفل پاؤ چائے کا چمچ، سفید مرچ ایک کھانے کا چمچ، ادرک لہسن پیسٹ دو کھانے کے چمچ، دارچینی دو عدد، کالی الائچی تین عدد، ہری الائچی آٹھ عدد، لونگ آٹھ عدد، پیاز

بیٹ کرلیں ایک عدد، تیل آدھا کپ، نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب: تیل گرم کرکے ثابت گرم مصالحہ ڈالیں اور چکن شامل کرکے فرائی کریں جب تک کہ اس کا رنگ بدل جائے اب لہسن ادرک اور پیاز کا پیسٹ شامل کرکے بھونیں تیل اوپر آجائے تو دہی میں سفید مرچ، نمک، گرم مصالحہ اور جائفل ڈال کر چکن میں شامل کریں اور دس سے پندرہ منٹ پکائیں اب کریم اور بادام کا پیسٹ شامل کرکے تین منٹ پکائیں قورمہ تیار ہے۔

میمنی انڈوں کی مٹھائی

اجزاء: انڈے تین عدد، خشک دودھ ایک کپ، چینی آدھا کپ، گھی آدھا کپ، سبز الائچی چند دانے۔

ترکیب: انڈے خوب اچھی طرح سے پھینٹ لیں۔ گھی میں الائچی کے دانے ڈال کر گرم کریں اور چولہے سے اتار کر ٹھنڈا کرلیں۔ اب اس میں خشک دودھ، انڈے، چینی ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ چمچے سے برابر چلاتے رہیں۔ آہستہ آہستہ یہ خشک ہونے لگے گا۔ جب رنگ براؤن ہوجائے اور یہ گھی چھوڑنے لگے تو اتار کر کسی پلیٹ میں جمادیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کاٹ لیں اور چاندی کے ورق لگا کر پیش کریں۔ مزیدار مٹھائی تیار ہے۔

میمنی چکن پکوڑے

اجزاء: مرغی (بغیر ہڈی) آدھا کلو، بیسن ایک پاؤ، لیموں دو عدد، انار دانہ پسا ہوا ایک چائے کا چمچ، تیل دو کپ، نمک مرچ حسب ضرورت، ہرا دھنیا سبز مرچ حسب ذائقہ۔

ترکیب: ٹکڑے ابال کر نرم کرلیں اور اس کی یخنی کو ٹھنڈا کرکے اس میں بیسن گھول لیں۔ نمک، مرچ، سبز دھنیا اور مرچیں کاٹ کر شامل کرلیں۔ تیل گرم کرکے ٹکڑوں کو بیسن کے آمیزے میں ڈپ کرکے تلتے جائیں۔ تکے اگر چھوٹے ہوں تو سارے تکے بیسن میں ڈال کر مکس کرلیں اور چمچ کی مدد سے دو یا زائد ٹکڑے ایک ساتھ ڈال کر تلیں۔ نکال کر ان پر لیموں نچوڑ کر پیش کریں۔

کاٹھیاواڑی چکن سبزی رول

اجزاء: مرغی کے سینے کا گوشت چند ٹکڑے، سرکہ چار چمچ، ٹوتھ پک پندرہ عدد، لہسن پسا ہوا تین چائے کے چمچ، نمک مرچ ایک چائے کا چمچ، کوئی سی سبزی ایک کپ، آئل ایک کپ، ہرا دھنیا حسب ضرورت، ہری مرچیں حسب ذائقہ۔

ترکیب: گوشت کے ٹکڑوں کو بیلن پر چپٹا کرلیں پھر اس کو سرکہ لگا کر رکھ دیں۔ سبزی میں لہسن، نمک، مرچ اور ہری مرچیں دھنیا ڈال کر مکس کریں۔ پھر گوشت کے چپٹے کٹے ہوئے پارچوں میں سبزی بھر کر رول بنائیں اور ٹوتھ پک لگالیں تاکہ رول کھلیں نہیں اگر ٹوتھ پک نہ ملیں تو دھاگہ لپیٹ لیں اور احتیاط سے ٹکڑے گرم کیے ہوئے تیل میں ڈال کر ہلکی آنچ پر تل لیں۔ مزید چکن رول کا لطف چٹنی کے ساتھ دوبالا کیا جاسکتا ہے۔

راجکوٹی فرائی گوشت

اجزاء: ٹماٹر (درمیانے سائز کے) دو عدد، گوشت ایک کلو، گرم مصالحہ (پسا ہوا) ایک چائے کا چمچ، پیاز (درمیانہ سائز) دو عدد، لہسن (پسا ہوا) دو کھانے کے چمچ، زیرہ آدھا چائے کا چمچ، سرکہ ایک پیالی، ادرک آدھا انچ کا ٹکڑا، انڈے تین عدد، لال مرچ (کٹی ہوئی) حسب ذائقہ، نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب: گوشت کے ٹکڑے دھو کر ابال لیں پھر ان پر نمک لال مرچ گرم مصالحہ اور لہسن اچھی طرح ملادیں گوشت کو سرکہ میں ڈبو دیں دو گھنٹے پڑا رہنے دیں گھی کڑکڑا کر زیرہ اور ادرک تل لیں۔ ساتھ میں گوشت کے ٹکڑے بھی تل لیں، لچھے دار پیاز سرکے میں ڈبو کر تل لیں، ثابت ٹماٹر اس گھی میں تل کر نکالیں۔ سرکے میں تھوڑا پانی ڈال کر سلاد کے پتے بھگو کر ڈش میں قرینے سے سجادیں ان پر گوشت کے ٹکڑے رکھ کر تلی ہوئی پیاز اور انڈے ابال کر اوپر رکھ دیں۔

میمنی کلیجی کا سالن

اجزاء: بکرے کی کلیجی (بوٹی بنوالیں) کلیجی کو دھوئے بغیر ایک ڈلی لہسن چھلکے سمیت کچل کر اچھی طرح مل کر پندرہ منٹ کے لئے رکھ دیں پھر ٹھنڈے پانی سے دھولیں اس طریقے سے بساند دور ہوجاتی ہے۔لال مرچ پسی ہوئی ایک کھانے کا چمچ، ادرک لہسن پیا ہوا ایک کھانے کا چمچ، گرم مصالحہ پیا ہوا ایک چائے کا چمچ میتھی دانہ چند دانے، ہری مرچ چار عدد، تیل ایک پیالی، ہلدی ایک چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، سویا دو گٹھی (باریک کٹا ہوا)، پیاز دو ڈلی (کچی پیس لیں)، ہرا دھنیا ایک گٹھی (باریک کٹا ہوا)

ترکیب: ایک دیگچی میں تیل ڈال کر گرم کریں پھر میتھی دانہ ڈال کر دو منٹ بعد پسی ہوئی پیاز ڈال دیں۔پیاز جب ہلکی گلابی ہوجائے ادرک لہسن، ہلدی اور مرچ ڈال کر ہلکا سا بھون لیں پھر کلیجی، سویا، ہری مرچ اور گرم مصالحہ ڈال کر بھونیں۔پانچ سے دس منٹ کے لئے دم پر رکھ دیں۔سب سے آخر میں نمک ڈال کر مکس کرلیں اوپر سے ہرا دھنیا ڈال دیں۔گرم گرم سادے چاول یا سادی چپاتی کے ساتھ پیش کریں نمک شروع میں بالکل نہ ڈالیں ورنہ کلیجی سخت ہوجاتی ہے۔

میمنی لیموں کا شربت

اجزاء: لیموں چھ عدد، پانی ایک لیٹر، چینی ایک پیالی، نمک حسب ذائقہ، کالی مرچ پسی ہوئی تھوڑی سی۔

ترکیب: لیموں کاٹ کر درمیان میں سے بیج نکال لیں پھر بلینڈر میں لیموں، چینی، پانی اور نمک ملا کر پھینٹ لیں۔دھیان رہے کہ لیموں کے چھلکے نہ اتاریں۔جب جھاگ اوپر آجائے تو نمک اور کالی مرچ ڈال دیں۔گلاس میں شربت ڈال کر تھوڑا سا برف ڈال دیں چاہیں تو تھوڑے سے پودینے کے پتے ڈال دیں۔

بمبئی دہی کی لسی

اجزاء: تازہ دہی ایک کلو، دودھ آدھا لیٹر، سفید زیرہ بھنا اور پسا ہوا آدھا کھانے کا چمچ، کالی مرچ کٹی ہوئی ایک چائے کا چمچ، شہد چار کھانے کے چمچ، نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب: سب چیزیں ایک ساتھ بلینڈر میں ڈال کر پھینٹ لیں۔ جب پیش کرنا ہو تو گلاس میں برف توڑ کر ڈال دیں پھر لسی فوراً پیش کریں۔

کاٹھیاواڑی آلو کی بھجیا

اجزاء: آلو آدھا کلو، لہسن (باریک کٹے ہوئے) چار جوے، ثابت سفید زیرہ ایک چائے کا چمچہ، سوکھی لمبی لال مرچیں آٹھ عدد، پسی ہوئی ہلدی آدھا چائے کا چمچہ، سوکھی ہوئی کھٹائی چار عدد، نمک حسب ذائقہ، سرسوں کا تیل ایک پیالی۔

ترکیب: کڑاہی میں سرسوں کا تیل گرم کر کے لہسن سنہری کریں پھر آلو اور نمک ملا کر ہلکی آنچ پر آلوؤں کے آدھا گل جانے تک پکائیں۔اس میں باقی اجزاء ڈالیں اور دم پر رکھ دیں۔

میمنی ڈبل روٹی کی پڈنگ

اجزاء: ڈبل روٹی نصف، دودھ ایک پاؤ، چینی ایک چھٹانک، انڈا ایک عدد، کشمش ایک تولہ

ترکیب: ڈبل روٹی کے کنارے کاٹ کر الگ کردیجئے اور اس کے تین یا چار توس کاٹ لیجئے۔انڈے کی سفیدی اور زردی کو الگ الگ پھینٹ کر ان کو ملائیں کسی برتن کے اندرونی حصے پر سب طرف مکھن مل کر اس میں توس برابر برابر بچھایئے۔دودھ میں چینی ملایئے اور اسے توسوں میں ڈال دیجئے کشمش کتر کر چھڑک دیجئے اور حسب قاعدہ برتن کے اوپر نیچے آگ رکھ کر پڈنگ کو پکا لیجئے۔

میمنی زردہ

اجزاء: سیلا چاول آدھا کلو، چینی آدھا کلو، گھی ایک کپ، لونگ پانچ سے چھ عدد، چھوٹی الائچی پانچ سے چھ عدد، کیوڑہ دو چمچے، اشرفیاں حسب ضرورت، کھویا ایک پاؤ، چھوٹی گلاب جامن حسب ضرورت،

زردے کا رنگ دو چمچے۔

ترکیب: چاول اور زردے کا رنگ لونگیں ڈال کر ابال لیں۔ جب پورے ابل جائے تو چھان لیں۔ ایک پین میں گھی ڈالیں اس میں چھوٹی الائچی کڑکڑائیں۔ اب اس میں چینی کی تہہ لگائیں پھر چاول کی پھر چینی پھر چاول کی چولہے کی آنچ تیز رکھیں۔ جب چینی کا پانی خشک ہوجائے تو اس میں کھوپرا، اشرفی گلاب جامن ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ جب دیکھیں زردہ تیار ہے تو پلیٹ میں نکال کر گارنش کریں۔ مزیدار دیگچی زردہ تیار ہے۔

کاٹھیاواڑی چھولے پاپڑی کیساتھ

اجزاء: سفید چنے دو کپ، کھانے کا سوڈا آدھا چائے کا چمچہ، کٹی لال مرچ ایک کھانے کا چمچہ، چاٹ مسالا دو چائے کے چمچے، کارن فلور آدھا کپ، املی کا رس آدھا کپ، نمک حسب ذائقہ، پیاز دو عدد، ہری چٹنی دو کھانے کے چمچے، پاپڑی (بازار میں دستیاب) حسب ضرورت۔

ترکیب: چنوں میں کھانے کا سوڈا ڈال کر رات بھر بھگو دیں اور کوکر میں ابال لیں، جب اچھی طرح گل جائیں تو کارن فلور پانی میں گھول کر ڈال دیں۔ پانی کم ہو تو مزید ڈال لیں اور چمچہ چلاتی رہیں۔ چھولے بالکل خشک نہیں ہونے چاہئیں۔ کارن فلور اور چھولوں کے پانی کا شوربہ موجود رہے، اب اس میں تمام مسالے ڈال دیں اور کسی ڈش میں نکال کر اوپر سے باریک کٹی پیاز ڈال دیں۔ کھاتے وقت پاپڑی کے ٹکڑے شامل کرلیں۔ ذائقے دار چٹ پٹے کاٹھیاواڑی چھولے تیار ہیں۔

میمنی دال گوشت

اجزاء: گوشت ہڈی والا آدھا کلو، چنے کی دال ڈھائی پیالی، پیاز دو عدد درمیانے سائز کی، ٹماٹر چار عدد درمیانے سائز کے، لہسن اور ادرک کا پیسٹ دو بڑے چمچے، ہری مرچیں تین عدد، نمک، ہلدی، پسی لال مرچ حسب ضرورت، پیا گرم مصالحہ ایک چھوٹا چمچہ، تیل پون پیالی۔

بگھار کے لیے: پیاز ایک عدد، کری پتا چھ عدد، زیرہ آدھا چائے کا چمچہ، ثابت لال مرچ چار سے پانچ عدد، تیل آدھی پیالی۔

ترکیب: ایک دیگچی میں دال، نمک، ہلدی اور پسی لال مرچ ڈال کر گلنے کے لئے رکھ دیں۔ دوسری دیگچی میں تیل گرم کریں اس میں پیاز لال کر کے گوشت، لہسن، ادرک، ٹماٹر، ہری مرچیں ڈال کر خوب اچھی طرح بھونیں اور گوشت گلنے تک پکائیں۔ پھر گوشت اور گلی ہوئی دال ملا کر پندرہ سے بیس منٹ پکائیں۔ اچھی طرح مکس ہوجائے تو اوپر سے پیا گرم مصالحہ اور بگھار ڈال کر زیرے کے بگھار والے چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

کاٹھیاواڑی قیمے کے سموسے

اجزاء: قیمہ ایک کلو، نمک حسب ذائقہ، سفید زیرہ دو کھانے کے چمچے، (پسی ہوئی) حسب ذائقہ، دار چینی کے تین ٹکڑے، باریک کٹی ہوئی پیاز ایک پاؤ، ہرا دھنیا (کٹا ہوا) آدھی گڈی، ہری مرچیں (کٹی ہوئی) چھ عدد، ادرک (باریک کٹا ہوا) ایک ٹکڑا، گرم مسالا (پسا ہوا) دو کھانے کے چمچے۔

ترکیب: قیمے میں نمک، لال مرچیں اور دار چینی کے ٹکڑے ڈال کر اُبال لیں اور پانی خشک کرلیں۔ ٹھنڈا ہونے پر دیگر تمام چیزیں قیمے میں ملا دیں۔ جب ضرورت ہو، تو پرت میں مسالا بھر کر سموسے تیار کریں اور تیل میں تل لیں۔ تیز، سموسے تیار کرکے فریز بھی کیے جاسکتے ہیں۔ (ترجمہ: کھتری عصمت علی پٹیل)

نمک: نمک کھانوں کو ذائقہ دیتا، کھانے کو ہضم کرتا اور بھوک لگاتا ہے۔ یہ بلغم کو چھانٹتا ہے۔ نمک پیٹ درد، کھٹی ڈکاروں، معدہ کی کمزوری، خون کی خرابی، جگر اور تلی کی کمزوری کو دور کرتا ہے۔

دار چینی: دار چینی کھانوں میں خوشبو پیدا کرتی اور بھوک بڑھاتی ہے۔ دار چینی زکام میں فائدہ دیتی ہے اور کھانسی میں بھی اس کا استعمال مفید ہے۔

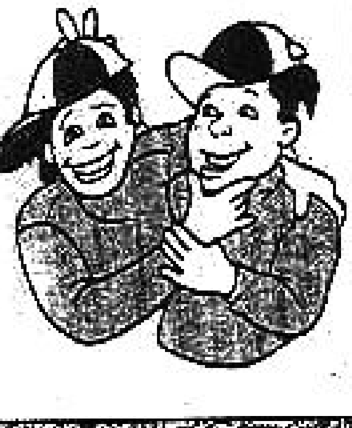

پھلجھڑیاں

زندہ

☆ مریض (ڈاکٹر سے) مجھے ہچکیاں بہت آرہی ہیں۔ڈاکٹر کوئی یاد کر رہا ہوگا۔مریض: مجھے یاد کرنے والے سب مرگئے۔ڈاکٹر: لیکن میں تو ابھی زندہ ہوں۔

ٹائی

☆ گاہک (دکاندار سے) ٹائی کتنے روپے کی ہے۔دکاندار: 55 روپے کی۔گاہک: اتنی قیمت میں تو جوتے مل جاتے ہیں۔دکاندار: مگر آپ جوتوں کو گلے میں تو نہیں ڈال سکتے۔

جیب

☆ ماسٹر (لڑکے سے): اگر میں تمہیں دو روپے دوں اور اتنے ہی روپے تمہیں اسد بھی دے تو بتاؤ تمہاری جیب میں کتنے روپے ہوئے؟ لڑکا ایک بھی نہیں۔ماسٹر: وہ کیوں؟ لڑکا: جناب! میری جیب پھٹی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر

☆ پاگل (ڈاکٹر سے) آپ مجھ پہلے والے ڈاکٹر سے اچھے لگتے ہیں۔ڈاکٹر (خوش ہوکر) آپ بھی میرے جیسے ہیں؟

وقت

☆ اسد: اگر میں وقت ہوتا تو لوگ میری قدر کرتے۔فیصل: نہیں! بلکہ تمہیں دیکھ کر ڈر جاتے۔فیصل: کیونکہ لوگ کہتے وہ وہ دیکھو برا وقت آرہا ہے۔

بھول

☆ استاد (شاگرد سے) بتاؤ وہ کون سا مقام ہے جہاں بھائی بھائی کو، باپ بیٹے کو اور دوست دوست کو بھول جاتا ہے؟ شاگرد: جناب! شادی کے کھانے پر۔

ایماندار

☆ پولیس افسر: تم نے اتنی چوریاں کیں مگر کسی کو اپنا ساتھی نہیں بنایا؟ ملزم: آپ تو جانتے ہیں انسپکٹر صاحب! آج کل ایماندار آدمی ملتے ہی کہاں ہیں۔

گھوڑا

☆ ایک صاحب گھوڑے سے گر گئے۔ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو گھوڑے نے انہیں منہ میں پکڑا اور ڈاکٹر کے پاس لے گیا، دوستوں نے کہا کہ یار تمہارا گھوڑا تو بہت عقل مند ہے۔وہ صاحب بولے: اتنا بھی عقلمند ہے وہ تو مجھے جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔

جغرافیہ

☆ ایک آدمی اپنے دوست کو بتا رہا تھا کہ اس نے دنیا کا ہر شہر دیکھا ہے ہر ملک گھوما ہے دنیا کے ہر حصے میں قیام کیا ہے۔ایک آدمی پاس ہی کھڑا سن رہا تھا اس نے کہا پھر تو آپ جغرافیہ بھی اچھی طرح جانتے ہوں گے۔پہلے نے جواب دیا: ہاں ہاں میں وہاں پورا ایک ہفتہ رہا

تھا۔

مغل بادشاہ

☆ استاد (شاگرد سے) بتاؤ مغل بادشاہ شاہ جہاں کے کتنے بیٹے تھے؟ شاگرد: جناب چار۔ استاد: شاباش گن کر بتاؤ۔ شاگرد: ایک دو تین چار۔

سیٹ

☆ ریل میں ایک خاتون اپنے کتے کو ساتھ لے جا رہی تھیں انہوں نے گارڈ سے کہا: میں نے اس کا ٹکٹ بھی خریدا ہے لہٰذا اسے بھی دوسرے مسافروں کی طرح سیٹ پر بیٹھنے کا حق ہے۔ آپ نے بجا فرمایا گارڈ بولا: مگر دوسرے مسافروں کی طرح اسے بھی سیٹ پر پاؤں رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

فائدہ

☆ گاہک: ہوٹل کے منیجر کو بلاؤ میں یہ کھانا نہیں کھا سکتا۔ ویٹر: جناب ان کو بلانے کا کوئی فائدہ نہیں، وہ بھی یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔

تندرست

☆ ڈاکٹر: (مریض سے) اب تم تندرست نظر آ رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میری ہدایت کے مطابق آب و ہوا تبدیل کی تھی۔ مریض: جی ہاں۔ ڈاکٹر: کہاں گئے تھے؟ مریض: ایک دوسرے ڈاکٹر صاحب کے پاس۔

فیل

☆ میرے ایک دوست کا نام طفیل ہے۔ جب اس کے سالانہ امتحان کا نتیجہ نکلا تو سب نے پوچھا: ”نتیجہ کیسا تھا۔“ وہ مسرت سے بولا ”بھئی آج تو میرے نام کا ”ط“ اڑ گیا۔“

سالگرہ

☆ فقیر: ”اللہ کے لیے مجھے ایک کیک کا ٹکڑا کھانے کو دے دو۔“ عورت: ”کیا روٹی سے تمھاری بھوک دور نہیں ہوگی؟“ فقیر: ”نہیں آج میری سالگرہ ہے۔“

مینار

☆ ایک دیہاتی کسی بلند مینار پر چڑھ گیا اور اوپر جا کر رونے لگا۔ کسی نے پوچھا: ”کیوں رو رہے ہو؟“ دیہاتی نے جواب دیا: ”بھائی! اگر یہ مینار گر گیا تو میں اتروں گا کیسے؟“

کھیل

☆ دو دوست جنھیں کھیلوں کا ذرا بھی شوق نہیں تھا ایک کرکٹ کے اسٹیڈیم کے قریب سے گزر رہے تھے۔ وہ وقت گزاری کے لیے ٹکٹ خرید کر اندر چلے گئے۔ کھیل کے دوران ایک کھلاڑی نے چھکا مارا تو ایک دوست فوراً بولا: ”کیا خوب گول کیا ہے۔“ دوسرے دوست نے یہ سن کر کہا: ”تمھیں کھیلوں کے بارے میں ذرا بھی معلومات نہیں ہیں۔ ارے بھئی گول تو کرکٹ کے کھیل میں ہوتے ہیں۔“

☆☆☆☆☆

S.NO	NAMES	DATE
	Muhammad Khalid Dojki	
10	☆......Muhammad Arsal Muhammad Ashraf Abdul Aziz Punjla with Zainab Zahid Aba Ali Mesia	13-08-2022
11	☆......Umair Zakaria Abdul Sattar Kasbati with Sobia Muhammad Yahya Abdul Habib Thara	15-08-2022
12	☆......Muhammad Zeeshan Muhammad Kashif Younus AkuKara with Shifa Saleh Muhammad Abdul Razzak Suriya	15-08-2022
13	☆......Roman Abdul Sattar Moosa Bhai Karwadia with Humera Ghulam Qadir Muhammad Bhai Moon	16-08-2022
14	☆......Abdul Qadir Muhammad Rafiq Abdul Habib Jangda with Umma Habiba Muhammad Amin Muhammad Ilyas Bharamchari	17-08-2022
15	☆......Muhammad Ahsan Muhammad Asif Haroon Kasbati with Shifa Muhammad Anwer Haroon Vakil	18-08-2022
16	☆......Muhammad Fahim Muhammad Hanif Jan Muhammad Moti with Alisha Muhammad Shoaib Haji Abdul Sattar Bhoot	19-08-2022
17	☆......Muhammad Rizwan Muhammad Irfan Aba Ali Kotriwala with Ayesha Imran Muhammad Farooq Manai	20-08-2022
18	☆......Muhammad Asad Muhammad Saleem Muhammad Siddiq Jangda with Ayesha Muhammad Owais Abdul Ghani Kodvavwala	20-08-2022
19	☆......Muhammad Ali Muhammad Rafiq Ali Muhammad Kalmesarwala with Bushra Muhammad Ahmed Tayyab Chikna.	20-08-2022
20	☆......Bilal Munaf Moosa Mota with Ramsha Muhammad Jawed Aba Hussain Jangda	20-08-2022
21	☆......Muhammad Iqbal Qasim Adam Khosa with Shafaq Muhammad Shahid Muhammad Younus Dojki	22-08-2022

Engagement

منگنیاں

AUGUST 2022

S.NO	NAMES	DATE
1	☆......Muhammad Umer Behzad Alam Muhammad Zikar Tabani with Fatima Jawed Haji Muhammad Madar Advani	01-08-2022
2	☆......Fahad Fayyaz Muhammad Iqbal Moon with Mariam Muhammad Idrees Muhammad Suleman Bawadosa	02-08-2022
3	☆......Hammad Shahid Muhammad Younus Tee with Sadia Altaf Hussain Abdul Sattar Sakhi	03-08-2022
4	☆......Muhammad Bilal Muhammad Irfan Abdul Sattar Mesia with Aisha Abdul Rashid Abdul Rehman Biddu	03-08-2022
5	☆......Muhammad Ali Aftab Wali Muhammad Rawda with Hadia Muhammad Irfan Muhammad Idrees Kudiya	04-08-2022
6	☆......Salman Muhammad Kamran Haji Younus Bhatda with Maira Muhammad Altaf Muhammad Haroon Motliya	05-08-2022
7	☆......Muhammad Hasan Raza Muhammad Farooq Rehmatullah Mandvia with Laiba Sundus Zubair Abdul Razzak Durvesh	10-08-2022
8	☆......Muhammad Ali Abdul Rauf Haji Muhammad Khalid Dojki with Ayesha Dr. Usman Ghani Abdul Karim Makna	11-08-2022
9	☆......Anas Abdul Razzak Abdul Rehman Shakoor Pothiawala with Shifa Muhammad Taif Haji	11-08-2022

S.NO	NAMES	DATE
22	☆.....Muhammad Talha Muhammad Younus Yousuf Moosani with Hafsa Faisal Aba Ali Mesia	23-08-2022
23	☆.....Muhammad Kabeer Muhammad Jawed Muhammad Yousuf Tanna with Iqra Abdul Qadir Amanullah Kapadia	23-08-2022
24	☆.....Ali Muhammad Arif Hussain Kodvavi with Zainab Muhammad Ashfaq Abdul Aziz Naviwala	23-08-2022
25	☆.....Shayan Zahid Yousuf Khanani with Falak Muhammad Nasir Abdul Aziz Bhoot	23-08-2022
26	☆.....Muhammad Zohaib Muhammad Aslam Haji Rehmatullah Katiya with Tuba Muhammad Idrees Haji Jan Muhammad Patel	26-08-2022
27	☆.....Muhammad Attar Raza Muhammad Saleem Ahmed Hingora with Hudaibia Muhammad Raheel Muhammad Iqbal Mandvia	26-08-2022
28	☆.....Samroz Muhammad Mohsin Muhammad Arif Moon with Ramsha Feroz Haji Umer Behra	29-08-2022
29	☆.....Muhammad Basit Muhammad Siddiq Abdullah Bhuri with Aiman Muhammad Muneer Muhammad Siddiq Buriwala	31-08-2022

Printed at: **Muhammed Ali — City Press**
OB-7A, Mehersons Street, Mehersons Estate,
Talpur Road, Karachi-74000. **PH : 32438437**
Honorary Editor: **Abdul Jabbar Ali Muhammad Biddu**
Published by: **Muhammad Iqbal Billoo Siddiq Akhawala**
At **Bantva Memon Jamat (Regd.)**
Near Raja Mansion, Beside Hoor Bai Hajiani School, Yaqoob Khan Road, Karachi.
Phone: 32728397 - 32768214 - 32768327
Website : www.bmjr.net **Email:donate@bmjr.net**

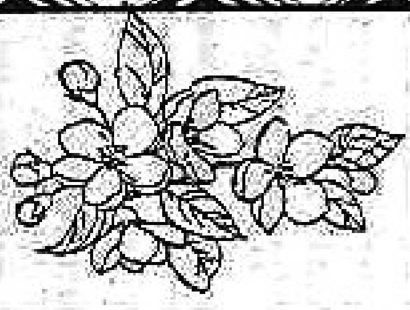

نمبر شمار	تاریخ وفات	نام بمعہ ولدیت /زوجیت	عمر
-13	14 اگست 2022ء	عبدالغفار محمد عمر جاگروا	75 سال
-14	15 اگست 2022ء	یاسمین عبدالعزیز بیگا زوجہ محمد سلیم کسباتی	62 سال
-15	16 اگست 2022ء	عبدالغفار حاجی عبدالشکور تی نی	83 سال
-16	17 اگست 2022ء	حاجی ابوبکر رحمت اللہ کسباتی	76 سال
-17	20 اگست 2022ء	محمد رفیق محمد صدیق داؤد گروپ	80 سال
-18	20 اگست 2022ء	ممتاز بانو ہاشم درویش زوجہ علی محمد دھامیا	80 سال
-19	21 اگست 2022ء	فریدہ بانو حاجی محمد شریف کریم ٹیل	73 سال
-20	26 اگست 2022ء	امینہ بانو محمد یوسف (دادا) ونیز یا زوجہ محمد ذکر جاگروا	65 سال
-21	27 اگست 2022ء	حاجی عمران عبدالغنی پولانی (برادر بشیر فاروقی)	50 سال
-22	30 اگست 2022ء	جان محمد رحمت اللہ لوائی	92 سال
-23	31 اگست 2022ء	عبدالحمید اسماعیل باوا دوسا (والد ڈاکٹر محمد طفیل)	83 سال

فارم پیدائش اندراج ماہنامہ میمن سماج

حسب ذیل پیدائش ماہنامہ میمن سماج میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔

بچے کا نام:______________ والد کا نام:______________ دادا کا نام:______________

اٹک (نکی، گوت، پہچان، ذات):______________ تاریخ پیدائش:______________

پتا:____

____

اندراج کرنے والے کے دستخط:______________

مورخہ:______________

نوٹ: اس فارم کے ساتھ بچے کے والد کے بانٹوا میمن جماعت کے ممبر شپ کارڈ کی فوٹو کاپی منسلک کرنا ضروری ہے۔

ઉથી હણે સ્હવાર થીઃ ઉથી હણે સ્હવાર થી

'તન્વીર' વાસાવડી (મહુમ)
રાગઃ (અભી તો મય જવાન હું)

અઝાન થી પુકાર થી, હી રોશની જી ધારથી
રીયો હી શોરશોરથી, વખત રીયો પસારથી
સુણો નથો પુકારથી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

અય કોમજા જવાન ઊઠ, અય કોમજા નિશાન ઉઠ
જગાય ફર્ઝ-ભાન ઉઠ, બતાય તોજી શાન ઉઠ
અય કોમજા મહારથી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

તું શાન બન જમાલ બન, તું કોમજો જલાલ બન,
તું કોમજી મજાલ બન, તું રાહજી મસાલ બન,
ચમન જી તું બહારથી,
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

અલગ અલગ જમાઅતું, અલગ અલગ વસાહતું
કરેં તો કોમી તાકતું, હી છિન્નભિન્ન થારતું,
સમઝ ને હોશિયારથી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

અય કોમજા અમીર જાગ, અય કારવાં જા મીર જાગ
અય કોમજા ખમીર જાગ, અય કોમજા ઝમીર જાગ
વખત જો ના શિકાર થી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

તું કોમકે સજાય ગીન, હકડી જગા વસાય ગીન
તું કોમકે બનાય ગીન, વખત જો લાભ ઉઠાય ગીન
ન તક વીને પસારથી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

તો કે અકલ જો વાસ્તો, અચની નસલ જો વાસ્તો
ઉગની ફસલ જો વાસતો, હર ફુલ ફલ જો વાસતો
ના ફેર મુંહ બહારથી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

સહી જરા મિજાઝ કર, નઝર કે તું દરાઝ કર
ખતમ બુરા રિવાઝ કર, ન શકિતસુ હરાઝ કર
અય ભા મુંજા તિજારતી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

તું શાનદાર કોમ બન, તું જાનદાર કોમ બન
તું આનદાર કોમ બન, તું ભાનદાર કોમ બન
અય કોમ હોશિયાર થી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

થી શીસ્ત જો પયામ બર, અમલ જો ઈન્તેઝામ કર
પયદા નવો નિઝામ કર, ઉરૂઝતે મુકામ કર
વખત જો શેહસવાર થી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

ઉ લંગડા ઉના તવાં, હલી સીગન ન તીન છતાં
ડીસી ગીનો પુગા કિડાં, ને પાં અચું હજી હિડાં
પીયા ઝર્મી તે ભારતી
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

'તન્વીર' કી શરમ કરૂં, ઠરેલ ખું ગરમ કરૂં
હણે તો કીંક કમ કરૂં, ને પાં તે પાં રહમ કરૂં
રે હદ હણે તો ચાર થી,
ઉથી હણે સ્હવારથી, ઉથી હણે સ્હવારથી.

* * *

ડાહી સાસરે ન જાય

(હઝલ)

અ. મજીદ રઝવી ભાણવડવાલા

આજે માનવી દુઃખીના દાળીયે દેખાય છે
વિધિની કરૂણતા કેવી લેખ પણ ઊંધા લખાય છે

ઘરમાં છે ટીવી અને વીસીઆરની ભરમાર
છતાં ભાઈ જમાતના દફતરે ગરીબ લેખાય છે

નથી કીધી હજ કે નથી કર્યાં ઉમરા કયારેય
પણ પૈસાના જોરે શેઠ 'હાજી સાબ' કહેવાય છે

નથી જેના ચહેરા પર પ્યારા આકાની સુન્નત
મહેફિલોમાં એજ ભાઈ 'આશિકે રસૂલ' કહેવાય છે

કાલે જે ગધેડા પર બેસીને જતા હતા
આજ મોટરોમાં ફરતા ફરતા દેખાય છે

ઘર સામાનની લેતીદેતીનો કેવો વેપાર છે
છતાં સમાજમાં તલ્લાકોની કેવી ભરમાર દેખાય છે

લગ્નપ્રસંગની સાદગીની ભીતરમાં શું છે 'મજીદ'
ડાહી સાસરે ન જાય ગાંડીને શીખામણ દેવા જાય છે

દેશ પાકિસ્તાન ખપે

અબ્દુલ રઝ્ઝાક રૂબી

પંજ દરિયા જો ખુશ-ખુશાલ દેશ પાકિસ્તાન ખપે
ઢીંગલે-મેંઈ અનાજ ઊતારેવાળો દેશ પાકિસ્તાન ખપે

અલ્લાહમીયાજી રહેમત વસ્સે બારે મહિને દેશ મેં
લીલો-છમ ઘટાદાર ધરતીવાળો દેશ પાકિસ્તાન ખપે

ઊંચી ઊંચી પહાડીજી સાંકડી વાંકી-ચૂંકી સડક મેં
દેખાય ચારે-બાજુ કુદરતજો કમાલ દેશ પાકિસ્તાન ખપે

ચારે-કોર નઝર રખનતા પખ્તુન જવાન ખયબરમેં
જીવ હથેલીમેં હંમેશા રખનવાળો દેશ પાકિસ્તાન ખપે

સિંધજી પાક-જમીન મથ્થે વેઠા અઈન ઘુર બહાદરો
પીરો-મુરશદજી પુકાર સદા સુણાય દેશ પાકિસ્તાન ખપે

સોનચાંદી હીરામોતીજા ભંડાર છુપેલા બલુચિસ્તાનમેં
હંગી ધરતી જા બલુચી જવાનેજો દેશ પાકિસ્તાન ખપે

યાદ કર, ચાર ભાગ જે મીનારે વેઠલ ભા-રઝ્ઝાક
ભુલીજ મા ! બધે કે સંભારવાળો દેશ પાકિસ્તાન ખપે

બિરાદરીના મુખપત્ર માસિક

'મેમણ સમાજ'

કરાચીને પોતાની જાહેરખબરો આપીને સહકાર કરો
જેથી કરીને બિરાદરીના મુખપત્રને નાણાંકિય
તંગીનો સામનો ન રહે.

અસ્સુબ્હો બદા મિન તલ્અતેહી

જનતામાં ખૂબ જ લોકપ્રિય નિવડેલી ના'ત જેની વચ્ચે અલ્લાહુ.....અલ્લાહુ આવે છે અને જે કારી વહીદ ઝફર કાસમીએ પઢી છે તેના શબ્દો અને અર્થો જણાવવા માટે અમારા અનેક વાચક ભાઈ-બહેનોએ માંગણી કરી છે. આ નાતિયા કસીદો ઈમામે આઝમ અબુ હનીફા (રહેમતુલ્લાહ અલયહે)નો લખેલો છે. મૂળ કસીદામાં અલ્લાહુ.... અલ્લાહુ શબ્દો નથી. એ શબ્દો કારી વહીદ ઝફરે પોતાની તરફથી ઉમેર્યાં છે. મૂળ ના'તિયા કસીદો તેના ભાવાર્થ સાથે અહીં રજૂ કરીએ છીએ.

અસ્સુબ્હો બદા મિન તલ્અતેહી
વલ્લયલો દજા મિંવ વફ્રતેહી

(પ્રભાત તારા ચહેરાના નૂરથી-પ્રકાશિત છે અને રાત તારી ઝુલ્ફોના કારણે કાળી છે)

(અલ્લાહુ... અલ્લાહુ... અલ્લાહુ.... અલ્લાહુ)

ફાકર્રુસુલા ફદલંવ વ અલા
અહદસ સુબુલા લે દલાલતેહી

(આપ (સ.અ.વ.) બધા રસુલોથી ઉત્તમ છો અને આપની ફઝીલત અને ઉચ્ચતા અજોડ છે. માર્ગ ભૂલેલાઓને આપે જ હિદાયતનો પંથ દેખાડયો છે.)

અઝકન્નસબે આ'લલ હસબે
કુલ્લુલ અરબી ફી ખિદમતેહી

(આપનું કુળ પણ પવિત્ર અને આપનો વંશ પણ ઉત્તમ. બધા અરબો આપના ખિદમતગુઝાર છે.)

કન્ઝુલ કરમે મૌલન્નઅમે
હા'દિલ ઉમમે લે શરીઅતેહી

(કરમનો આપ ખજાનો છો અને બધી નેઅમતોના આપ માલિક છો. ઉમ્મતને આપની શરીઅત પર ચાલવા માટેની હિદાયત આપનારા પણ આપ જ છો.)

સઅતિશશજરો નતકિલ હજરો
શકકુલ કમરો બે ઈશારતેહી

(આપના ઈશારે વૃક્ષો ચાલ્યા અને પથ્થરોને વાચા ફૂટી. ચંદ્ર પણ આપની આંગળીના અણસારે ટુકડા થઈ ગયો.)

જિબ્રિલો અતા લયલતા અસરા
વર્રબ્બો દઆહુ લહદરતેહી

(મે'રાજની રાત્રે હઝરત જિબ્રીલ (અ.સ.) અલ્લાહની મુલાકાત માટેનું તેનું આમંત્રણ લઈને આપની જ પાસે આવ્યા હતા.

(અલ્લાહુ... અલ્લાહુ... અલ્લાહુ.... અલ્લાહુ)

કાલશ શરફા વલ્લા હુ અફા
અમ્મા સલફા મિન ઉમ્મતેહી

(અલ્લાહને આપે ઉમ્મતના ગુનાહોની બખ્શિશ કરવા કહ્યું અને આપની એ માંગણી સ્વીકારીને અલ્લાહે આપનો મર્તબો બુલંદ કર્યો.)

ફમુહમ્મદના હોવા સય્યદોના
ફલ ઈઝઝોલના લે ઈજાબતેહી

(આ છે અમારા આકા હઝરત મુહમ્મદ સલ્લલ્લાહો અલયહે વસલ્લમ) જો તેઓ અમને તેમના ગુલામ તરીકે સ્વીકારી લે તો અમારા માટે તેનાથી વધીને કોઈ બીજું માન હોઈ જ શકતું નથી.)

હીજ વખત જયું ઘડીયું

જનાબ મુનશી ધોરાજવી

હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન
કોય કે હીં ના માફક આવિયું
કોય કે હીં બહુ સડયું ઐન

શેઠ કે નવકર બાગ કે
બન્જર પથ્થર ગવહર ઈજ કરન
કિયાસ કિડાસી નિકરે
ઈન્જો કિડા હી નડીયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન

સાયકલ જે ડંડે તે પૈ ને ડબલ સવારી કરના હુવા
ઉન્યે વટે અજ નાહરોતા મસ્ત કોરોલો ગડીયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન

જિન્યેં જો વેપાર ને ધંધો
દુનિયા ભરમેં પથર્યો હો
ઉન્યેં જી ઔલાદ જે પિનતે
અજ બનિયાન ને ચડીયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન

મા સમજી ને હથ ચુમ્મી નુંહ
સસ યે નુંહ જા પગ ધુની
વ્યાંહ કે અઠ ડિંહ ત્યા ઐન તાં-તાં બોય
સસું-નુંહ લડીયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન

મા જિન્યેં કે પાલી-પોષી હિડા
હુડા માંજી ને થં
ઉજ વડા થી નોખા રૈ વ્યા
ને માંયું તડફડીયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન

જો બેટી વહેવારમેં કાયમ
મેમણ શાખ કે રખિયા હુવા
ઉન્યેં જી ઓલાદ જે ઘરમેં
અજ પરદેશ જયું પરિયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન

દોડમાં "યાકુબ" દુનિયા વાસે
ઈબરતજો હી આય મકામ
ઉજ તા મિન્નીયું નીયેં પુનીયું
જો છિક્કે તે ચડીયું ઐન
હીજ વખત જયું ઘડીયું ઐન

મેમણી નઝમ

ઈસ્માઈલ દરવેશ

કોઈ જો આંઉ બીમાર થી વીના
કોઈ દિલ જો કરાર થી વીના

પત્થર વની વીના તો ભી આંઉ
ગરીબ ઘરજી દીવાર થી વીના

કોઈ ખુશ થીયે ભલે જીતી કરે
આંઉ મીડજી જ હાર થી વીના

નામ અલ્લાહ જો ગીની ગીનીને
મોતસે હમ કીનાર થી વીના

ખુશીમેં કડે તો ગમીમેં કડે
કોઈ દિલજી પુકાર થી વીના

જો વે ખુશગવાર જીંદગી તો
પોય બંદગીસે બેઝાર થી વીના

હલન ચમા ધન મથેસે માણુ
આંઉ કો ટૂટેલો મઝાર થી વીના

"દરવેશ" ખુદાજો કરમ થીયેતો
નેક બંદેમેં સુમાર થી વીના

ઈ હકીકત આય, પાંજે સમાજમેં વધુ ભાગે ગંભીર લડાઈ-ઝગડા સસેં-નુહે 'ને નિરાણેં-ભોજાયે જે દરમ્યાનજ થીના સુણેમેં અચનતા, કારણ કે પાંજી સમાજ રચના જ કીંક હેળી કીસમજી આય કે અસલમેં સસ પણ કડેક નું૯ રહી ચૂકી હોય તી ઈત્રે પોતે સસ બનેતી તો નુહસે "સસ" જેળોજ "સુલુક" કરેતી ! 'ને ઈ માહોલમેં રિયેલી "નુહ" સસ બનેતી તો ઈન્હે હીજ હોય તો "સસ" મીજી સસ જેળીજ હુની ખપે તોજ "સસ" ચોવાય ! હેળીજ રીતે નિરાણજી પણ કોઈ નિરાણ હોયતી, જેળો સુલુક ઈન્જે સાથ થીયે તો પછી જડે ઈ કોઈજી નિરાણ બનેતી તો "નિરાણ" તરીકે જ વર્તેતી- જો "નિરાણ" વારીયેના વર્તે તો પછી ઈ નિરાણ કી ચોવાય ! ! હી પરંપરાગત ઈ સીલસીલો પેઢી દર પેઢી હલી અચી રીયો આય ! ! મતલબ કે ઈ "ચક્કર"મેં નુહ-યા-ભોજાય જો હર સુરતમેં મરો આય-!

લગભગ સસુ નુહેંસી નોકરાણી જેળોજ સુલુક કરનતિયું પણ મથે મથેસી એળો જાહેર કરનજી 'ખોટી' કોશિષ કરનતિયું કે નુહ તો મીજી ધી વારિયે આય ! ! નિરાણું તો અલ્લાહ જાણે પોતેકે કુરેજો કુરો સમજનલાય મન્ડનતીયું- ભોજાયસી લઢન ના તો યે ઈન્યે કે ખેન્જોજ ના ભાવે...! પાંજી સમજમેં નથો અચે ! રહેમ કર માલીક કોમજી ઈ મઝલુમ નુહ-યા ભોજાયં જેળે "જાનવર" તે ! ! ! કીકે પાંજે સમાજમેં ઈત્રીયું બુરાયું અઈન ને ઈન્મેં ઈ સસ-નુહ 'ને નિરાણ ને ભોજાયજો મસલો ઈત્રો ઉલઝેલો આય કે ઈન્હે સુલઝાયનજી કોઈ રીત ને ને 'ને ને જ ! ! દુઆ કરન સિવાય મીકે તો ઈન્જો કોઈ બીયો રસ્તો નથો ડીસાય !

"ના ના, નિરાશ ના થીજા ! નિરાશા કુફ્ર આય- ઈન્જો અકળો રસ્તો આય ખરો-."

"કુરો -?"

"પાંજેમેં હાણે ઈ રીવાજ આમ થી રીયો આય કે શાદી ટાણે અલગ ઘર-સામાન ડીનમેં અચેતો ઈ રીવાજ અમુક અંસે ઉપરોક્ત સસ-નુહ 'ને નિરાણ-ભોજાય જે ઝગડેજો અંદેશો ઓછો કરી ડીયે તો, 'ને પહેલાંસીજ સસ-નુહ 'ને નિરાણ-ભોજાયજો સંબંધ જાળવી રખેતો-"

"પણ હાણે ઈ બાબત વડો મસલો થી વિયો આય કિં કે મકાન જી કિંમતુ ઈતરીયું વધી વિયું ઈન કે પહોંચ બહાર નીકળી વિયું અઈન."

"દરઅસલ નુહકે કુટુંબજો અકળો બાઈઝઝત ફર્દ સમજયો ખપે-સસેં કે ખપે નુહસી પોતેજી ધી જેળો જ વર્તાવ કરન ! ને બધેસે અહમ ઈ કે માળવેં કે ઈ મામલેંમેં પોતેજી ફરજ અદા કરી ખપે !"

"સસેં-નુહેં" ને નિરાણ-ભોજાય જે ઝઘડેમેં ઉચમેં બિચારે માળવેં કે કીડા ઉપાડી આવેં ઈન્યેજી ઈ બાબતમેં કી હલેતીજ કીડાં બી રીતે ચુવાં તો ઈન્યેકે "ઘાસજ" નથો વિજનમેં અચે !"

"પણ કમાલ ઈ આય કે ઈ ઝગડેજો વડો 'માનસિક' અસર માળવેંતે જ પોયતો."

"ઈત્રે આંયજો ચુનજો મતલબ ઈ આયકે પાંજે સમાજમેં પહેલો મઝલુમ નુહ આય- યા ભોજાય આય 'ને બીજો મઝલુમ ઈ બિચારો માળુ આય ! ?"

હાસ્તો, બિલ્કુલ ! ! 'ને જડે સુધી ઈ, ઈ બાબતમેં પોતે જો 'મહત્વ' વધારનજી કોશીષ નઈ કરે, તો ડર લગે તો અકળો ડીહ એળો ના અચે કે ઈ બિચારો 'મરદ' માળુ સમાજ જો 'નુહસી' પણ વધુ મઝલુમ 'જાનવર' ના બની વિને ! !

પાંજી બોલીમેં

લેખક : નસીમ ઓસાવાલા

"એચ ઈડા અચ."

"જી, ભેણ, મીકે બરકિયા ?"

"હા, હા તોકેજ બરકુમ. તોજે સિવાય ઘરમેં બીયો કોઈ આય ? કીં દીવાલેસીં થોડીજ ઘાલ્યુ કરાંતી ! શરમાયે નથી સામે પુછેતી (ચપ વાંકા કરી, ચાળા કરીને) "ડી ભેન મીકે બરતિયાં !" ઈ નાર ઘરમેં ફરસ જાણે વરેંહસી વાસીદો ના કઢાણું વોય એળો મેલો આય ! વાસીદા-પોતા તું નઈ કરે તો કેર તોજો પે કરનલાય અચનું ! ને ઉ નાર, હમામમેં હેઠે થાં જો ને મેલે કપડેજો "ઉકીળ ાં" લગાય રખે અંયે ! ઈ બધે સફાઈજા કમ તું નઈ કરેંતો કેર તોજો પે કરનલાય અચનું ? ! સવારજા ઈગ્યારો વજી વિયા. પચાયનું કરનું આય-જલ્દી જલ્દી બધેં કમ કર રોજ વારિયેં અજ મોળો થીયો આય તો પછી નારીજ ?"

"જી.... ભેણ.... હીન્ઘરીજો બધે કમ કરાંતી.... પણ અજ સવારસી મીંજે પેટમેં બહુ દર્દ થી રીયો આય, વહેવાય પણ નથો. છતાં ભેણ અલ્લાહજો નાલો ગીની, હીન્ઘડીજોજ બધે કમ પટાય ડીયાંતી."

"હં-પેટમેં બહુ દર્દ થીનલાય મંડયો, કમજો નાલો પીયો તાં ! પેટમેં દર્દ થીયે તો તો કીં કમકજ નઈ કરે ! ?"

"જી....ભેણ. આંવ કમજો ના કીડાં ચુવાતી- બસ હીન્ઘડીજોજ કરાતી-

"વે'લી, જલ્દી કર, પછી મીંકે બા'રા ઉન્નું આય કુરો સમજયેં ને મોળો કરેંયેં તો પછી નારીગીનીજ ! ?"

"મા (સસમા), રોજ તાં આવ બધે કમ કરી ગીનાતી અજ મીજે પેટમેં બહુ દર્દ થીયેતો જીરા વાર પછી આવ કમ કરાંતી- પણ મરીયમ ભેણ (નિરાણ) મીકે નાહક જો બોલનતા."

"હા-હા, મીજી મરીયમ તે તોહમત ઉજ ! તોજી તો રોજજી આદતથી-હેળા ખોટા ભાનાં કરનજી કડેંક પેટમેં દર્દ ઉપડેતો, કડેક મથો ચળ `તો, 'ને કડેંક કમર ડુઃખેતી- કન ખોલીને સુણી ગીન, મીજે ઘરમેં રહેનું આય તો ઘરજો બધે કમકાજ તોજેજી કરીયો ખપનો- મીંજે ફારૂકજી 'શાદી કરમ તડેજ આંવ પંજ વર જુની નોકરાણી કે રજા ડી ડીનમ કે હલો હાણે નુંહ અચીવી, ઘરજો બધે કમકાજ સંભાળી ગીનતી- પણ તું તાં સાવ કમચોરજ નીકરીયેં ! ! ઈ બધેં દર્દ તોડે થીના ઉનતાં ખુશીસી હલી ઉન તોજી માં જે ઘરે, ઉડાંજ રે !"

"જી.... જી... માજી, મીજો અસલી ઘર તો ઈજ....."

"હાણે જાણી જાણીને રૂનઘુનલાય ના વેહ-ઉન વે'લી પટાઈ ઝટપટ બધે કમ- પછી મીજી મરીયમકે, સે'લીજી સાલગીરાહમેં ઉન્નુ આય, કુરો સમજયે-! ને હા કમ જો ના ઉકલનું હોય તો મીજા દરવાજા ખુલ્લા અઈન- તોજી માજે ઘરે હલી ઉની સીગેતી- ઉતે રોયા કરીજ જાણી જાણીને- સસે-નિરાણે કે તો તોજે જેરિયું જ નુહ ખોટી-ખોટી નાહક જો બદનામ કરનતિયું-!

* * *

પયગમ્બરે ઈસ્લામ (સ.અ.વ.)ની નૂરાની નસીહતો

- મુસલમાનના માટે મૃત્યુ એક ભેટ છે. તમારા મુર્દાઓને ભલાઈપૂર્વક યાદ કરો અને તેનું નામ નેકીની સાથે લો અને તેની બુરાઈ કરવાથી બચો.
- કુરઆને શરીફના પાંચ વિષયો છે. હલાલ, હરામ, સ્પષ્ટ અને ગર્ભિત તઅલીમાત, અપ્રગટ પર ઈમાન લાવો અને ઉદાહરણોથી બોધગ્રહણ કરો.
- ખરેખર તમે એ જમાનામાં છો જેમાં તમને હુકમ કરવામાં આવી છે એ તઅલીમના દસમા ભાગથી ગફલત કરશો તો તમે તબાહ થઈ જશો. ત્યાર પછી એવો જમાનો આવશે કે તે સમયના લોકો તેના દસમા ભાગ પર અમલ કરશે તો તેઓ બચી જશે.
- જે માણસ હલાલ ખોરાક ખાય અને મારી શરીઅત પર અમલ કરે અને લોકો તેનાથી સલામતીમાં હોય તો તે જન્નતમાં જશે.
- તમારાથી બની શકે તો સવારથી સાંજ સુધી અને સાંજથી સવાર સુધી કોઈની બુરાઈ કરવાથી તમારી જાતને બચાવો. પછી કહ્યું, "આ હુકમ મારી શરીઅતમાં છે અને ખરેખર જે મારી શરીઅતથી મોહબ્બત રાખે છે તે મારાથી મોહબ્બત રાખે છે.
- ખરેખર બની ઈસ્રાઈલ બોંતેર ફિર્કાઓમાં વ્હેંચાઈ ગયા અને મારી ઉમ્મત ૭૩ ફિર્કાઓમાં વ્હેંચાઈ જશે. એક ફિર્કા સિવાય બધા હલાક થશે. લોકોએ પૂછયું એ કયો ફિર્કો છે ? આપે ફરમાવ્યું, "એ ફિર્કો જેના પર હું અને મારા દોસ્તો હોય."
- હું તમને હિદાયત કરૂં છું કે અલ્લાહ તઆલાથી ડરો અને મારા (સાચા) જાનશીનોની પૈરવી કરો.
- દુનિયાના અંતિમ કાળમાં લોકો જૂઠા હશે અને એવી વાતો બનાવશે જે ન તો તમે ન તમારા વડવાઓએ સાંભળી હશે ત્યારે એનાથી બચો કે તે તમને ગુમરાહ ન કરી દે અને વાદવિવાદમાં ન ઉતરો.
- ઈમાનના ત્રણ મૂળ છે. એક તો એ કે જે માણસ લાએલાહ કહે તેને કષ્ટ આપવામાં ન આવે. ન તેને એકાદ વાંકના કારણે બેઈમાન સમજવામાં આવે અને ન તેને એક વાંકના કારણે દૂર ફેંકી દેવામાં આવે.

બાંટવા મેમણ જમાઅત (રજી.) કરાચીનું મુખપત્ર

મેમણ સમાજ

ઉર્દૂ-ગુજરાતી માસિક

Memon Samaj

THE SPOKESMAN OF BANTVA MEMON JAMAT (REGD.) KARACHI

Honorary Editor:
Abdul Jabbar Ali Muhammad Biddu
Published by:
Muhammad Iqbal Billoo Siddiq Akhawala

Graphic Designing
A. K. Nadeem
Hussain Khanani
Cell : 0300-2331295

Printed at : City Press
Muhmmed Ali Polani
Ph : 32438437

September 2022 Safar 1444 Hijri - Year 67 - Issue 09- Price 50 Rupees

હમ્દે બારી તઆલા

રફીક ગોંડલવી (મર્હુમ)

કોઈ તારાથી વધુ સુંદર નથી
તારા વિણ દિલમાં કોઈ દિલબર નથી

તારી રહેમત પર નઝર છે યા ખુદા
તારી રહેમતથી કોઈયે પર નથી

સબ્રના ને શુક્રના અંદાઝમાં
ફરિયાદનો કહેતો કદી અક્ષર નથી

આંખથી અશ્રુ વહાવું ના કદી
રોઉં છું પણ આંખ થાતી તર નથી

આશીકોથી થાય ના ફરિયાદ પણ
ખુદ્દાર છું, મારા સુધી કાયર નથી

હું બની કંટક રહું છું ફૂલમાં
મારૂં જીવન ફૂલથી કમતર · નથી

કાં સઝાઓથી ડરાવો શેખજી,
એની રહેમત શું ભલા ! સઝર નથી ?

આશમાં ને આશમાં જીવી ગયો,
તો જીંદગીનું કાંઈ શું વળતર નથી

સૌના માટે આખરી મંઝિલ 'રફીક'
ગોદ, માટીથી કોઈ બહેતર નથી

ના'તે રસૂલે મકબૂલ (સ.અ.વ.)

'નાઝ' બાંટવાવી (મર્હુમ)

બારમીનો ચાંદ જ્યારે આભ પર દેખાય છે
ઝુલ્મને બાતિલમાં હક્કની રોશની ફેલાય છે

કોઈ મારી ભાગ્ય રેખાની પરીચીમાં જુએ
બંધ આંખે રોઝએ અકદસના દર્શન થાય છે

પળ મહીં એને ઉકેલે છે ગુલામે મુસ્તફા
પ્રશ્ન હો ગંભીર કેવો પણ ન તે અટવાય છે

ગર્વ છે મુજને રસૂલે પાકનો આશિક છું હું
અંધકારોમાં મને તો રોશની દેખાય છે

હું નબીના ઝીક્રમાં એકાગ્ર જ્યારે થાઉં છું
મારી કોરેમોરે વાયુ ખુલ્દનો વર્તાય છે

ઉમ્મતે એહમદનો દાવો ને હૃદયમાં છળકપટ
આજના દંભી જગતમાં કલમાઓ એવાય છે

આ કરમ અલ્લાહનો એના ઉપર કંઈ કમ નથી
'નાઝ' સુલ્તાને મદીનાનો ગદા કહેવાય છે